۱



# ٹوٹا ہوا سکّہ

مُصنفہ

مُصوّر اسرار جناب حافظ محمد رحیم صاحب

دہلوی

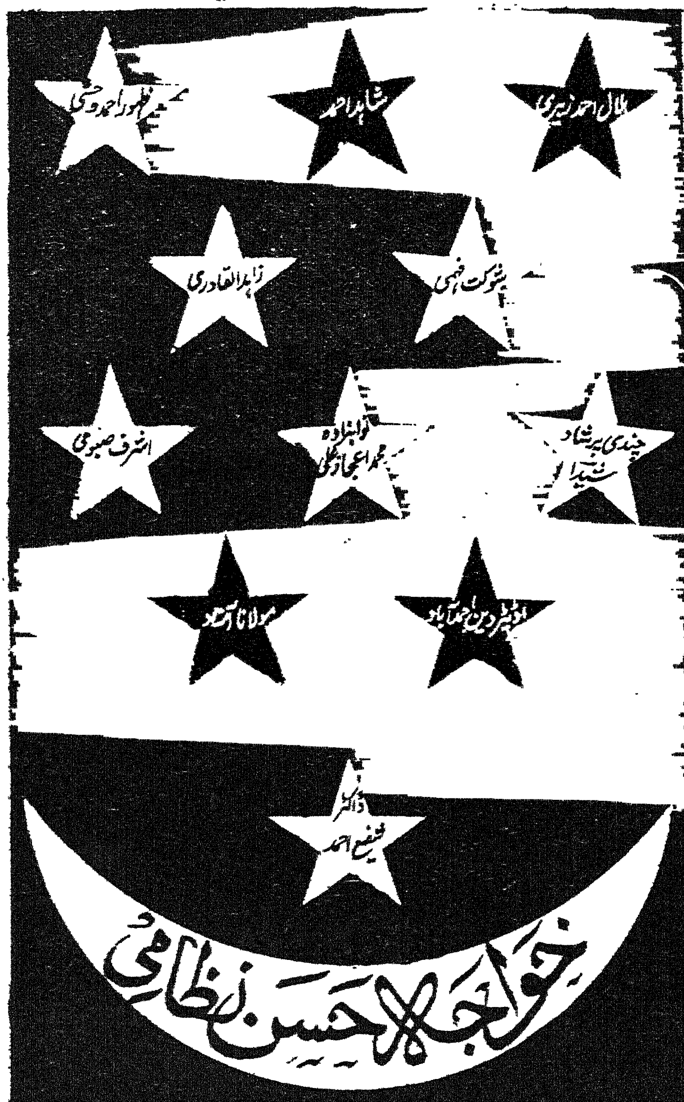
(جید الیکٹرک پریس دہلی)

# ملک و ملت کے اہل الرائے حضرات

اور

# دنیائے ادب کے وہ درخشاں ستارے

جنکی آراء کتاب کی زینت ہیں


ظہور احمد وحشی
شاہد احمد
بلال احمد زبیری
زاہد القادری
شوکت فہمی
اشرف صبوحی
نوابزادہ
محمد اعجاز علی
چندی پرشاد
شیدا
ڈاکٹر
شفیع احمد
خواجہ حسن نظامی

### مصور فطرت

# حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ

## کی رائے

میں نے لوٹا ہوا اسکہ نامی ناول سرسری نظر سے دیکھا اس کی عبارت صاف اور طرز تحریر دلچسپ معلوم ہوا مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ دہلی میں اب اچھے مضمون نگار ترقی کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر رسالہ ساقی اس تحریک کے بانی ہیں کہ دہلی کے نوجوان اردو نویسی میں آگے بڑھیں۔ مگر حافظ محمد رحیم صاحب اس تحریک سے پہلے ہی اپنے شہر کے نام کی روشنی اور زندگی کی سعی میں مصروف تھے۔

جاسوسی کے ناولوں کی طرف ہر انسان کو فطرتاً رغبت ہوا کرتی ہے۔ مگر ریل پر ایسے ناول بھی دیکھنے میں آتے ہیں جنکی لوح پر جاسوسی ناول درج ہوتا ہے مگر اندر ایسی عبارتیں ہوتی ہیں جو بندش اور زبان اور واقعات کسی لحاظ سے بھی درست نہیں کہی جا سکتیں لیکن لوٹا ہوا اسکہ ایسا ناول ہے جو واقعات کی خوبی و دلچسپی اور طرز تحریر کی صفائی ہر اعتبار سے اس کتاب کو جاسوسی ناول ثابت کر سکتی ہے میری دعا ہے کہ کتاب کامیاب و مقبول ہو اور حافظ صاحب میری تصویر کی چوری کے بعد خود میری ہستی کے سرقہ کا کوئی قصہ بھی لکھدیں تاکہ میں اپنے وجود کے مال مسروقہ کی تلاش میں انکے ساتھ پھر سکوں۔

حسن نظامی۔ ۱۲؍ فروری ۳۳ء



دہلی کے نوجوان ادیب جناب حافظ محمد رحیم صاحب چمن

# جناب مفتی شوکت علی صاحب فہمی اڈیٹر روزانہ عادل

## ورسالہ دین و دنیا کی رائے

دنیا کی حیرت انگیزیوں نے حافظ محمد رحیم صاحب رحمن سے ایک افسانہ لکھوایا۔ اور یہ افسانہ "ٹوٹا ہوا سکہ" کہلایا۔ جب یہ افسانہ میری نظروں کے سامنے آیا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ مغربی تمدن کے طوفان نے مشرق کی سادہ زندگی کو ان جرائم میں تبدیل کر دیا ہے۔ جو انسانیت کی تذلیل ہیں۔ اور یہ جرائم مشرق کی معصوم زندگی کو گناہ کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہے ہیں۔ اس افسانہ کے سامنے عقل حیران ہے۔ کہ انسان کیا سے کیا بن گیا۔ اور سمجھ یہ سوچ رہی ہے کہ اگر جدید تہذیب اسی طرح "ترقی" کرتی رہی۔ تو "مہذب انسان" دنیا کے لئے مصیبت بن جائیگا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سائنس کا یہ دور ختم ہو جائے۔ تاکہ دنیا مزید بے چینی میں مبتلا نہ ہو۔ مگر مغرب کا سائنسدان کہہ رہا ہے کہ "قیامت" سائنس کی انتہائی ترقی ہی کا دوسرا نام ہے۔

جرائم پیشہ اور حیرت انگیز انسانوں کا کردار اور فطرت اس افسانہ میں مجھے اس طرح عریاں نظر آ رہی ہے۔ گویا یہ خطرناک اور دل ہلا دینے والے واقعات میرے سامنے حقیقی صورت میں ہیں۔ اور مجھے اس دنیا کی فریب کاریوں سے خوف زدہ کر رہے ہیں۔ بہر حال لکھنے والے نے جو کچھ لکھا وہ دلکش ہے حیرت انگیز ہے۔ جرائم پیشہ انسانوں کی فطرت اور جذبات کا مرقع ہے۔ اگرچہ اردو ادب میں یہ افسانہ بہت اچھا اضافہ ہے

یہی حد ہے کہ اردو ادب ہی تک محدود رہے۔ اردو داں طبقہ میں اس قسم کے حیرت انگیز واقعات کی جھلک نظر نہ آئے۔

حیرت زدہ انسان
شوکت فہمی
۳۱ رجنوری ۱۹۳۴ء

---

# جمعیت علمائے ہند

## کے واحد آرگن اخبار الجمعیتہ کے اڈیٹر جناب مولانا ہلال احمد صاحب زبیری بی اے۔

میرے ایک عزیز دوست نے مجھے حافظ محمد رحیم صاحب چمن کے ایک ناول کا مسودہ دکھایا۔ جسکا نام "ٹوٹا ہوا سکہ" ہے اور اسکے متعلق رائے ظاہر کرنے کی فرمایش بھی کی۔ میری رائے ادبیات کے اس صنف کے متعلق جسے افسانہ نگاری کہتے ہیں۔ کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور نہ میں اپنے آپکو اسکا اہل پاتا ہوں۔ کہ چمن صاحب کی اس تازہ تصنیف پر کوئی ناقدانہ نظر ڈال سکوں۔ مگر اپنے کرم فرما کے اصرار پر میں نے اس جاسوسی ناول کو جستہ جستہ پڑھا۔ اور اپنی اس ناچیز رائے کے اظہار میں مجھے قطعاً کوئی تامل نہیں ہے۔ کہ لایق مصنف نے جو طرز نگارش اختیار کیا ہے اور کردار نگاری کے جو جدید اصول ان کے ناول میں جابجا کارفرما نظر آتے

ہیں۔ وہ اردو داں طبقہ میں افسانہ کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے نہایت موثر اور مفید ثابت ہونگے۔ افسانہ نگاری نے آجکل کے لٹریچر میں ایک خاص اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اور اسکے ذریعہ کسی قوم کی روزانہ زندگی کے واقعات کو نہایت خوبی اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور بالخصوص معاشرتی زندگی کے ان پہلوؤں کی تصویر جو کسی قدر پیچیدہ نوعیت رکھتے ہیں۔ نہایت دلفریب انداز میں کھینچی جاسکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چمن صاحب نے اس قسم کے افسانوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کے پیش نظر افسانہ نگاری کے بنیادی اصول رہے ہیں مجھے امید ہے کہ اس پہلی کوشش کے بعد ان کی آیندہ مساعی اور بھی زیادہ کامیاب ہونگی۔

ہلال احمد زبیری
۲۷ر جنوری ۱۹۳۳ء

## جناب شاہد احمد صاحب (بی اے آنرز) دہلوی
## اڈیٹر رسالہ ساقی و شاہجہاں

جس ملک میں "ناول" انام ہو۔ ایک ایسی کتاب کا جو آوارگی کی تعلیم اور برے چلن کا درس دے۔ اسکی حیات ادبی معلوم۔ مجھ سے جب کہا گیا کہ حافظ محمد رحیم صاحب چمن دہلوی کے ناول پر بطور تقریظ لکھدوں۔ تو میں بھی "ناول" کا نام سنکر چونکا۔ مگر جب میں نے "ٹوٹا ہوا ستارہ" کہیں کہیں سے دیکھا۔ تو مجھے

یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی۔ کہ دہلی کے ایک نوجوان نے بڑی عمدگی سے قلم اٹھایا ہے۔

ہماری زبان میں اچھے ناولوں کی بہت کمی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے گنتی کے اخلاقی و صلاحی ناول اور مولانا عبد الحلیم شررؔ کے چند تخیلی و تاریخی ناولوں کے علاوہ (مجھے اس کا افسوسناک اعتراف ہے کہ) اردو لٹریچر ابتک کچھ زیادہ وقیع ناول پیش نہیں کرسکا۔ اسے اردو کی بدنصیبی کہہ لیجئے۔ یا اردو پڑھنے والوں کی بدذوقی کہ عمدہ ناولوں کا کال ہے۔

ہندوستان میں علم و ادب کی اتنی قدر کہاں کہ یورپ کی طرح یہاں بھی ناولسٹ پیدا ہوں۔ یہ اکے دکے ناول بھی جو آپ کو نظر آجاتے ہیں ذاتی ذوق و شوق کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ جلب منفعت و حصول زر کے لئے نہیں لکھے گئے۔ "شمیم و بہرام" کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی سمجھ لیجئے۔ جسے دیکھکر مجھے بیک وقت خوشی بھی ہوئی۔ اور افسوس بھی خوشی اسلئے کہ اردو ادبیات کی ایک ہتی۔ مایہ صنف میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا اور افسوس اس لئے کہ ایسی کتاب کے پڑھنے والے کہاں سے آئیں گے۔ جو "آرائش محفل" کی طرز پر نہ لکھی گئی ہو۔ تاہم میں ایک اولوالعزم نوجوان کو اپنا قیمتی وقت اور روپیہ صرف کرنے پر حوصلہ افزائی کا مستحق سمجھتا ہوں۔ اگر انہوں نے ثابت قدمی سے اپنی اس دماغی عیاشی کو جاری رکھا۔ تو اردو لٹریچر کو ان کے ہاتھوں بہت کچھ مل جائیگا۔ مجھے امید ہے۔ کہ چمنؔ کا یہ ثمر پیش رس خوش مذاق حضرات کی ضیافت طبع کے لئے ایک خاصہ کی چیز سمجھا جائیگا۔

اس اجمالی تقریظ کو ایک غیر ستائشی جنبش لب سمجھیے۔ خدا کرے کہ انکے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے پائے۔ تاکہ انکے نقوش ثانی بھی لٹریچر کی زینت بنیں۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

شاہد
(اڈیٹر ساقی و شاہجہاں۔ دہلی)
۲ فروری ۱۹۳۷ء

---

## نواب زادہ محمد اعجاز علی خاں صاحب سپیشل مجسٹریٹ و اسسٹنٹ کلکٹر (فرسٹ کلاس) مظفرنگر (یوپی) و کرنال (پنجاب) کی رائے

مولانا ظفر عمر بی اے کی "نیلی چھتری" اور "بہرام کی گرفتاری" کے کافی مقبول ہونے کے باعث بعض غیر ذمہ دار حضرات نے اپنی غیر معقول تصانیف میں ان کے غیر فانی شہرت رکھنے والے کتابی ہیرو "بہرام" کا جس سارقانہ اور جاہلانہ طریقہ پر خاکہ اڑایا ہے وہ اردو ادب کی تابناک پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ مولانا موصوف بھی (غالباً) ٹانگ کے افسوسناک حادثہ کے باعث، ان دو کتابوں کے علاوہ بزم ادب میں کچھ اور پیش نہ کر سکے۔ اور بہرام کے صحیح کریکٹر کی یاد تازہ نہ رکھ سکے۔

اب عرصہ دراز کے بعد میرے عزیز دوست حافظ محمد رحیم صاحب چمن

نا ہوسکہ یا ئیمیم د بہرام " لکھکر بہرام کو حیرت انگیز اور خرد افروز
کمالات کے ساتھ از سر نو زندگی بخشی ہے۔ جناب چمن کی یہ تصنیف جاسوسی
افسانوں میں یقیناً امتیازی درجہ رکھتی ہے بہرام کی چالاکیوں کے ساتھ ساتھ
چمن صاحب موصوف کے اپنے خود ساختہ "ئیمیم" جاسوس کی محیر العقول
سراغرسانی بھی بجائے خود دلچسپی سے خالی نہیں۔ پے در پے تحیر خیز واقعات
کے باعث شوق تجسس آغاز داستان ہی سے کتاب ختم کئے بغیر چین
نہیں لینے دیتا۔ بایں ہمہ حسن وعشق کی داستان بھی خوب ہے۔ غرض
ایسی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر یہ دلکش ناول ہر طرح لایق ستایش اور
اس کا مولف قابل صد تحسین و صد آفرین ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

محمد اعجاز علی خاں
۳۰ر جنوری ۱۹۳۳ء

## ترجمان فطرت مولنا سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری
## اڈیٹر رسالہ تجلی و اخبار فاران دہلی

میں حافظ محمد رحیم صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ قدرت نے آپ کو
اس حد تک ادبی ذوق عطا کیا۔ کہ وہ خوشحالی اور فارغ البالی کے تفریحی
مشاغل کی جگہ تالیف و تصنیف کے کاموں سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ

تصنیف انکی پہلی تصنیف ہے۔ اور اس لئے ان کے تخیل کی بلند پردازی اور مضمون طرازی قابل داد ہے۔

پڑھنے والا اس کے متعلق جو رائے بھی قایم کرے لیکن یہ بات اسے تسلیم کرنی پڑے گی کہ ہزارہا افسانوں سے جو اسوقت اردو لٹریچر میں موجود ہیں یہ افسانہ بہتر اور بالاتر ہے۔

امید ہے۔ کہ اگر انہوں نے افسانہ نگاری کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد ان کی زبان میں لطافت خیالات میں دلنشینی اور طرز ادا میں کافی دلکشی پیدا ہو جائیگی۔ اور وہ اردو زبان کے مشہور و مقبول ناولسٹ بن جائیں گے۔ خدا ایسا کرے۔

راقم

سید ظہور احمد

تجلی برقی پریس دہلی

۷ فروری ۱۹۳۴ء

## مولٰنا زاھد القادری صاحب اڈیٹر نئی روشنی بمبئی کی رائے

ہندوستان میں افسانہ نگاری اور ناول نویسی کا ذوق ایک عرصہ سے موجود ہے۔ لیکن بہت کم ہستیاں ایسی ہیں۔ جو اس آرٹ میں اجتہادی شان پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مجھے مسرت ہے۔ کہ میں آج ایک

ایسے ناول کی تقریظ لکھ رہا ہوں جسمیں واقعات کی تفصیل کے ساتھ ہی
سرمستیوں اور انسانی لطافتوں کے روح پرور نظارے بھی پیش کئے
ہیں۔ اس دلچسپ ناول کے مصنف میرے عزیز دوست حافظ محمد
صاحب چمن دہلوی ہیں۔

چمن صاحب ایک نوجوان ادیب ہیں۔ جنکی ہر تحریر سوز وگداز اور
میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اس ناول میں بھی یہ امتیازی خصوصیات موجود
اس ناول کو پڑھنے کے بعد اگر ایک طرف حسن وعشق کی فتنہ سامانیا
آجائیں گی۔ تو دوسری طرف قارئین کے ادبی ذوق کے لئے بھی سرمایہ
موجود ہوگا مجھے امید ہے۔ کہ اگر چمن صاحب اسی انداز سے ادبی خدمات
انجام دیتے رہے۔ تو مستقبل قریب میں ان کو ایک امتیازی پوزیشن حاصل
ہو جائے گی۔

خاکسار۔ زاھد القادری دہلی

۱۴ر نومبر ۱۹۳۳ء

---

## جناب ڈاکٹر شفیع احمد صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اڈیٹر اخبار سلطنت و رسالہ دستکاری دہلی

طرز آرائش گیسو جو نکالی سونے!
جو گرہ زلف گرہ گیر میں ڈالی سونے!

ایک مسودہ جناب حافظ محمد رحیم صاحب چمن دہلوی نے مجھے دکھایا جس کا نام انہوں نے "ٹوٹا ہوا سکہ" یا "رشیدہ و بہرام" رکھا ہے اسکی زبان کے متعلق کچھ کہنا بیکار ہے اسلئے کہ ایک دہلوی کا قلم اس بات کی کافی ضمانت ہے اور اس کی دلچسپی کی نسبت کہنا اسلئے بیکار ہے۔ کہ میری رائے خود ناول کے ہمراہ شائع ہو رہی ہے۔ ناظرین خود بیساختہ داد دینگے۔ کہ جناب حافظ صاحب کے قلم میں کسقدر روانی اور درافشانی موجود ہے۔ ناول تو آج کل ہزاروں لکھے گئے ہیں۔ مگر حافظ صاحب کے قلم نے جس اسٹائیل پر اس بے نظیر ناول کو تالیف فرمایا۔ وہ بے حد قابل داد ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ بیحد مقبول اور ہر دلعزیز ہو کر شہرت حاصل کرے گا۔ فقط

شفیع احمد

۲۳ جنوری ۱۹۳۴ء

---

# عربک کالج دہلی

## کے سکریٹری مولوی محمد عظمت اللہ صاحب بی اے ایل ایل۔ بی وکیل کی رائے

"ٹوٹا ہوا سکہ" میرے دوست حافظ محمد رحیم صاحب چمن سکریٹری انجمن نوجوانان تاجران جنت دہلی کی تصنیف ہے۔ یہ نہ الف لیلہ کی سی داستان پارینہ ہے۔ نہ داستان امیر حمزہ کی مانند طویل اور کہنہ و فرسودہ یہ نام کو

ایک ناول اور کہنے کو حسن و عشق کی ایک داستان ہے۔ لیکن بے مثل تحقیقۂ سائنس سے پُر اور حیرت انگیز جاسوسی واقعات سے معمور ہے۔

اس ناول کی غیر معمولی دلچسپی چند صفحات پڑھنے کے بعد اسکو ختم کئے بغیر ناظر کو بیچین کر دیتی ہے مصنف ایک ذہین اور کہنہ مشق انشاء پرداز ہونیکے ساتھ جنرل نولج کے بھی مالک ہیں۔ میں انہیں انکی اس بے مثل تصنیف پر مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔ اور دست بدعا ہوں کہ انکی قابلیت میں بیش از بیش اضافہ ہو۔

۸ر فروری ۱۹۳۳ء (مولوی) محمد عظمت اللہ

بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل سکریٹری عربک کالج دہلی۔

## احمد آباد کے مشہور گجراتی اخبار "دین" کے

## اڈیٹر مولنا غلام نظام الدین صاحب قریشی پریمی نظامی کی رائے

"ٹوٹا ہوا سکہ" نامی جاسوسی ناول میری نظر سے گذرا جس سے یہ معلوم ہوا کہ اردو ادب میں اس ناول کی اشاعت سے ایک بیش بہا اضافہ ہوگا اسکے مصنف جناب حافظ محمد رحیم صاحب دہلوی کی یہ مساعی ادبیہ قابل داد ہیں۔ امید ہے۔ کہ اردو ادب کے شائقین اسکو پسند فرما کر حافظ صاحب

کی ہمت افزائی کرینگے۔ تاکہ یہ اپنے اس ادبی سلسلہ کو جاری رکھکر اردو ادب میں اضافہ کرتے رہیں۔

غلام نظام الدین قریشی پریمی نظامی
اڈیٹر اخبار "دین" احمد آباد۔

۱۲ر فروری ۱۹۳۲ء

## افتخار الشعرا پنڈت چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی کی رائے

کسقدر اوج و ترقی پہ ہے شان دہلی
کہ زمانہ کی زبان پہ ہے زباں دہلی!

"ٹوٹا ہوا سکہ" یا شمیم و بہرام ایک اوریجنیل ناول ہے۔ لٹریچر کے اعتبار سے قلعہ معلیٰ کی زبان کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ حسن و عشق کی چاشنی کے ساتھ جاسوسی اور سنسنی خیز واقعات جس خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ وہ حافظ محمد رحیم صاحب چمن جواس کے مصنف ہیں۔ ان کی بیمثل قابلیت کی بین دلیل ہیں۔

چمن صاحب صرف قابل مبارکباد ہیں۔ کہ ان کا ناول قطعی ایک کامیاب ناول ہے۔ اس کی زبان ستہ۔ اس کا طرز بیان دلکش اور اسکے واقعات سبق آموز ہیں ؎ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

راقم چندی پرشاد شیدا دہلوی
۳۱ر جنوری ۱۹۳۲ء

## جناب مولانا آزاد صاحب دہلوی اڈیٹر ہفتہ وار اخبار "دستور" دہلی کی رائے

"ٹوٹا ہوا سکہ" ایک جاسوسی افسانہ ہے۔ لیکن جس انداز سے قابل مصنف نے اسے مرتب کیا ہے وہ آرٹ کے اعتبار سے بہت بلند اور ادبی لحاظ سے قابل داد ہے۔ عام جاسوسی ناولوں نے مارکٹ پر جس بری طرح قبضہ کر رکھا ہے۔ اسکو دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کہ اس پامال موضوع کو کبھی ادبی حیثیت حاصل ہو سکے گی۔ لیکن جناب حافظ محمد رحیم صاحب چمن کی اس کوشش کے بعد یہ یقین ہو چلا۔ کہ جاسوسی افسانہ بھی اس پائے کے لکھے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ایک صاحب ذوق ادیب اس طرف توجہ کرے۔

میں جناب چمن کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں۔ کہ پبلک ان کی اس ادبی کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گی۔

ناچیز

آزاد

۳۱ جنوری سنہ ۱۹۳۴ء

## مولانا سید ولی اشرف صاحب صبوحی (منشی فاضل) اڈیٹر رسالہ ارمغان۔ دہلی

حافظ محمد رحیم صاحب چمن دہلوی ماشاءاللہ ذہین اور ہونہار نوجوان ہیں ان کی ذہانت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ تھوڑا عرصہ ہوا انہا نے مضمون نگاری کی ابتدا کی اور اس قلیل مدت میں ایسی مشاقی بہم پہنچائی کہ بالخصوص جاسوسی افسانہ نویسی میں اپنے بہت سے ہمعصروں سے بازی لیگ

حال ہی میں حافظ صاحب موصوف نے ایک جاسوسی ناول موسوم "ٹوٹا ہوا سکہ" لکھا ہے جس کے مسودہ کو میں نے جستہ جستہ پڑھا او اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس مسئلہ خاص میں انکی معلومات وسیع ہے۔ طرز بیان دلچسپ اور زبان سلیس ہے۔ خدا کرے حافظ صاحب کی یہ ادبی سعی پبلک میں مشکور ہو۔ تاکہ وہ ادب اردو کی بیش از بیش خدمت انجا دے سکیں۔

۳ر مئی سنہ ۱۹۳۴ء　　　　اشرف صبوحی (منشی فاضل)

## مسٹر مدن موہن صاحب ایڈوکیٹ دھلی کی رائے

اس تمدن زمانے میں ارتکاب جرائم اور حصول جاہ و ثروت کے لئے سائنس کی بے شمار کرشمہ سازیوں سے نہایت سفاکی و بیداری سے کام لیا جارہا ہے۔ حافظ محمد رحیم صاحب چمن دہلوی نے اسی قسم کے ایک لرزہ خیز واقعہ کو افسانہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ ترقی یافتہ ذہنیتوں کی بہیمانہ خونریزی اور ارتکاب جرائم کے دل ہلا دینے والے محیر العقول واقعات کے لحاظ سے ان کا یہ ناول موسوم بہ "ٹوٹا ہوا سکہ" اردو زبان میں بالکل نئی چیز ہے۔ اسکے علاوہ شگفتگی۔ تر و تازگی۔ لطافت اور رنگینی الفاظ کے باعث ان کی اس تصنیف کے متعلق اتنا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ بت ساز سنگ مرمر کو تراش کر مجسمہ نہیں بناتا۔ بلکہ درصل بت ابتدا ہی سے پتھر میں موجود اور جلوہ نمائی کا منتظر و متقاضی ہوتا ہے۔ میں حافظ محمد رحیم صاحب چمن کو ان کی اس تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں۔

مدن موہن ایڈکیٹ۔

## حکیم محمد اسحاق زنی اڈیٹر میونسپل ریویو۔ دھلی

جناب حافظ محمد رحیم صاحب چمن کا غیر مطبوعہ مسودہ موسومہ "ٹوٹا ہوا سکہ" (ایک جاسوسی افسانہ) میں نے سرسری طور پر مطالعہ کیا۔ فاضل مصنف نے

جرائم پیشہ افراد کی فطرت کا تحریر میں فوٹو پیش کیا ہے۔ اور نہ صرف یہ افسانہ ہی دلکش ہے۔ بلکہ مضمون کی بندش میں اسقدر کشش پیدا کی ہے کہ چند صفحات پڑھنے کے بعد انسان ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ افسوس ہے کہ افسانہ غیر مطبوعہ ہے۔ ورنہ میں بھی ایک جلد خرید کر اپنی لائبریری میں اضافہ کرتا۔ میری دلی تمنا ہے۔ کہ جناب چمنؔ صاحب اس کتاب کو طبع کرانے میں کامیاب ہوں۔ اور یہ کتاب مقبول عام ہو۔

یکم مئی ۱۹۳۲ء

محمد اسحاق زبیؔ

## جناب سید منور علی صاحب وکیل ہائیکورٹ گوالیار

میرے ایک عزیز نے مجھے حافظ محمد رحیم صاحب چمنؔ دہلوی کا تصنیف کردہ ناول "ٹوٹا ہوا سکہ" دکھا کر اظہار رائے کی فرمائش کی۔ چنانچہ میں نے ممدوح کے اصرار پر سرسری طور پر "ٹوٹا ہوا سکہ" پڑھا جس میں چمن صاحب نے گلہائے مضامین سے خوب خوب گلشن آرائیاں فرمائی ہیں۔

اسمیں شک نہیں کہ چمن صاحب نے اس ٹوٹے ہوئے منتشر سکہ کو اپنی تلاش سے مجتمع کر کے اور اس سے بہترین نتیجہ نکالکر ناول نگار دنیا میں اپنا سکہ جمالیا۔ مضمون دلچسپ اور صاف ہے۔ زبان عام فہم اور سلیس ہے شاعرانہ مراعات سے لبریز ہے اور لغویات سے معرا۔ دیگر ناولوں کی طرح محبت جیسی بہترین

شے کا بے محل استعمال بھی نہیں کیا ہے۔ عورت کی پاکدامنی کا بہترین اور سبق آموز نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ ناول مجموعی حیثیت سے اس قابل ہے کہ مستورات بھی اس کو پڑھ سکیں۔ اور اس سے سبق حاصل کر سکیں۔ میں اپنے نادیدہ دوست چمن صاحب کی خدمت میں ان کی کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ناچیز ازلی

سید منور علی وکیل ہائی کورٹ ریاست گوالیار لشکر

۱۱ ۳/۳۴

# جناب کنور محمد عظمت علی خاں صاحب رئیس اترولی

## (علیگڈھ)

کچھ زمانہ سے مالک "جنرل بوٹ ہاؤس" چاندنی چوک دہلی چمن یعنی جناب حافظ محمد رحیم صاحب سے مجھے تعارف و شرفِ ملاقات حاصل ہے۔ اسمیں مبالغہ و مصنوعات کا دخل و اشتراک نہیں۔ کہ موصوف نہایت نیک نفس۔ خلیق۔ باوضع۔ زندہ دل اور ذوق سلیم رکھنے والے ایک علم دوست اہل قلم نوجوان ادیب ہیں۔ حسن اتفاق سے آپ کا مرتبہ و مصنفہ غیر مطبوعہ ناول موسوم بہ "ٹوٹا ہوا سکہ" اس عاجز کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ موجودہ بد اخلاق دنیا کے رائج الوقت بازاری ناول بالعموم حیا خراش اخلاق سوز اور اکثر لحاظ سے ناقابل مطالعہ ہوتے ہیں۔ میری نگاہ میں "ٹوٹا ہوا سکہ" اس قسم کی جملہ مذموم آلائشوں سے پاک۔ بے نیاز۔ مبرا و صاف رہ کر کافی دلچسپ خصوصیات سے لبریز۔ مذین و معمور ہے۔ خدا کرے کہ صاحب بصیرت۔ اہل ذوق و ادب نواز حضرات بھی اس کیف آفریں صحیفہ کی صحیح قدر اور مستحق ستایش مصنف کی بے ریا عملی حوصلہ افزائی فرمانا اپنا گراں بہا ملی۔ اخلاقی۔ علمی و ادبی فرض سمجھیں۔

عاجز و آثم

محمد عظمت علیخاں

۲/۳۴

# جناب ضیا صاحب صدیقی اڈیٹر اخبار جلیل دہلی

حافظ محمد حسیم صاحب چمن اپنی شگفتگی کے اعتبار سے فی الحقیقت چمن ہیں اور ہمیشہ علمی و ادبی مضامین کے تازہ بتازہ گل بوٹے کھلاتے رہتے ہیں۔ آج انکی ایک تازہ ترین تصنیف موسومہ "ٹوٹا ہوا سکہ" یا شمیم و بہرام میری نظر سے گذری۔ جو یقیناً خزانہ ادب اردو میں ایک بیش بہا خزانہ ہے۔

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے علاوہ وہ ناولسٹ بہت کم ہیں جنھیں صحیح معنی میں ناولسٹ کہا جا سکتا ہے۔

ناول نویسی میں جو خصوصیات شرر مرحوم ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ اور جس شان اور سنجیدگی و پختگی کا انکی تالیف مظہر ہوتی تھی۔ بلاشبہ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ شرر مرحوم کے انتقال کے سالہا سال گذرنے کے بعد دہلی کے مردم خیز خطہ نے بھی ایک شخص پیدا کیا۔ اور اس نے اسکا جواب دیا۔

میں خوش ہوں کہ دہلی میں اب بھی چمن صاحب کے نونہال اور قابل ادیب موجود ہیں اور دست بدعا ہوں۔ کہ خدائے ذوالجلال انکی روز افزوں قابلیت میں بیش از بیش اضافہ کرے اور اہل علم کو انکی تالیفات اور خدمات ادبیہ جلیلہ سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے۔۔ آمین

ضیا صدیقی

اڈیٹر جلیل ۔ دہلی

# رسالالہ مہاجر دیوبند

## روزنامہ مساوات لاہور اور رسالہ کائنات دہلی کے مدیر جناب عبدالوحید صاحب صدیقی کی رائے

"ٹوٹا ہوا سکہ" یا "شمیم و بہرام" اس نام کا ایک جاسوسی ناول حافظ محمد رحیم صاحب چمن دہلوی نے تصنیف فرمایا ہے۔ ممدوح نے از راہ کرم اس ناول کا مسودہ مجھے دکھایا جسے میں نے مختلف مقامات سے دیکھا۔

میرے خیال میں جناب چمن کا طرز نگارش اردو افسانہ نگاری کی دنیا میں ایک جدید اور دلچسپ باب کا اضافہ ہے۔ "ٹوٹا ہوا سکہ" اگرچہ جناب چمن کی پہلی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن اسکے باوجود ناول کی ترتیب اور کردار نگاری میں کافی ذہانت اور کہنہ مشقی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ اگر حافظ صاحب نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ تو یقیناً وہ ایک کامیاب ناول نویس کی حیثیت میں ملک سے خراج تحسین وصول کر سکیں گے۔

ناول بحیثیت مجموعی دلچسپ ہے۔

عبدالوحید صدیقی

مدیر رسالہ کائنات دہلی

سابق مدیر مہاجر دیوبند و روزنامہ مساوات لاہور

## واعظ خوش بیان اور ادیب قدیم جناب مولانا حافظ رحیم الدین صاحب دہلوی اسیسر ڈسٹرکٹ کورٹ دھلی

میرے ایک دوست نے انوکھے خیال اور دلکش انداز کے ناول کا ایک مسودہ مجھے دکھایا، جو "ٹوٹا ہوا سکہ" یا "شمیم و بہرام" کے نام سے منسوب ہے، جسمیں قوت متخیلہ کے طرح طرح کے گل بوٹے اور گلدستے مجھکو نظر آئے بعض بعض کیاریوں میں حیرت انگیز پنکھڑیاں بکھری ہوئی اپنی بے نظیر خوشبو سے کچھ ایسی روح افزا ثابت ہوئیں کہ بیساختہ میں نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دریافت کیا۔ کہ یہ کون حضرت ہیں۔ کہ جنکی گل افشانی سے بعد مدت کے میرے اجڑے ہوئے خیالوں میں بھی ایک تر و تازگی کا سماں بندھ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ میاں حافظ محمد رحیم صاحب چمن کی قوت متخیلہ کی تصویر ہے۔ سبحان اللہ ہمارے دل کی ڈھارس کے واسطے ابھی ہم دہلی میں ایسی صورتیں پیش کر سکتے ہیں جن کی پہلی جھک نے مشام جان کو مہکا کر چار چاند لگا دیئے الہم زد فزد

رحیم الدین حافظ بقلم خود

۲۸ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

# ٹوٹا ہوا سکّہ

## یا

# شمیم و بہرام

## پہلا باب (۱)

## مفرور قیدی

زمانہ حال کے مجرموں کے متعلق غالباً آپ میرے زاویہ نگاہ کو تسلیم کرینگے کہ اس موجودہ نئی روشنی کے دور میں نشوونما پاتے اور ماہرین سائنس ہونیکے باعث جرائم کے ارتکاب میں وہ لوگ ایسی محیر العقول عیاریاں دکھاتے ہیں جن کی فطری ذہانت کی انصافاً داد دینی پڑتی ہے اسی سلسلہ میں جمعیت علمائے ہند دہلی کے واحد آرگن سہ روزہ اخبار الجمعیۃ کے ۲۰ مئی ۳۳ء کے پرچہ میں سٹیٹمن سے ماخوذ شدہ لارڈ ٹرنچرڈ کا اظہار خیال میری نظر سے گذرا جس کو

...بارات کے تراجم کے زیر تحت حسب ذیل جلی عنوان سے تحریر کیا گیا تھا

# جرائم پیشہ بھی سائنس کے ماہر ہو گئے

## پولیس کی ناقابلیت کا اعتراف

لارڈ ٹرنچرڈ نے حال ہی میں پولیس کمشنر کی حیثیت سے اپنی سالانہ رپورٹ ایک جلسہ میں پڑھی جس میں آپنے پولیس کے فرائض پر ہمہ گیر تبصرہ کیا۔ اور پولیس کے معیار تعلیم پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا۔ آپنے اپنی رپورٹ میں چند انقلاب انگیز تجاویز پیش کی ہیں آپ کا خیال ہے۔ کہ پولیس میں بھرتی ہونے سے پہلے امیدواروں کی اعلی تعلیم و تربیت و موثر شخصیت اور جسمانی صحت کا پورے طور پر امتحان کر لیا جائے۔ رپورٹ میں آپنے اس امر پر کافی روشنی ڈالی ہے کہ آجکل جرائم کی نوعیت کیا ہے ؟ آپ فرماتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانے میں جرائم کا ارتکاب نہایت ہوشیاری سے کیا جاتا ہے۔ گویا جرائم نے نئی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اکثر جرائم سائنٹفک طریقے کو ملحوظ رکھکر انجام دیئے جاتے ہیں۔ اسلئے پولیس کی مشین کو بھی ان ہتیاروں سے مسلح ہونا چاہیے۔ وہ بھی سائنس کے ماہر اور نتائج اخذ کرنے میں صائب ہوں۔ ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ موجودہ جرائم کے انسداد پر پولیس قابض نہ ہو سکے گی۔ لارڈ موصوف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ آجکل

ایسی پولیس کی ضرورت ہے۔ جو نہایت منظم اور اعلیٰ دماغ کی مالک

یہ تھا وہ اظہار خیال جس کو آج سے کم از کم پچاس سال پہلے دنیا کے سامنے کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے۔ تو میرے خیال میں اس بھولا نہ کہنا چاہیئے۔ اسلئے میں لارڈ موصوف کو مبارکباد دونگا۔ کہ انہوں نے ایک بڑی کمزوری کو تسلیم کرنے میں جرأت کا ثبوت دیا۔ خواہ وہ بعد از وقت ہی کیوں نہ ہو۔

پولیس اور سرکاری جاسوسوں کے متعلق لارڈ مذکور نے جو کچھ کہا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ لیکن اس تاریک تصویر کا دوسرا روشن بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ کہ قدرت نے ان باکمال مجرموں کے جرائم کے لگانے والوں کی بھی ایک محدود تعداد تخلیق کی ہے۔ جو ملزم کو کیفر کردار تک پہنچانے میں پرانے دقیانوسی ذرائع متروک سمجھتے ہیں۔ اور سائنس نے ابتک جسقدر معلومات اور انکشافات مختلف شعبوں میں بہم پہنچائے ہیں ان سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے نہایت قابلیت سے سراغ رسانی کرتے ہیں۔

اسی گروہ کے ایک مشہور و معروف شخص "شیم" کی دوستی پر مجھکو نا جو اپنی بے نظیر سراغ رسانی کی بنا پر عالمگیر شہرت کا مالک ہے۔ اور آجتک حریف کے مکر و فریب کا شکار نہیں ہوا۔ اور اس ذہانت کے بتلے نے ا تعداد واقعات کو پیچیدہ سے پیچیدہ الجھنوں سے نکالکر رکھ دیا جنمیں سر سراغ رسان بارہا ناکام رہ چکے تھے۔

جانتا ہوں۔ کہ وہ کوئی غیر معروف ہستی نہیں اور نہ میرے اور اسکے دہ

مراسم محتاج بیان ہیں جن کی وجہ سے میں اس کے ہر فعل کو اصلی صورت میں آپ سے بار ہا بیان کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ بعض احباب مجھکو اسکے معتمد خاص اور محرم راز کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ واقعی میں اس کی دوستی پر فخر کرتا ہوں اور حق پوشی ہوگی اگر میں اسکو مخلص نواز نہ کہوں۔ ورنہ آپ خود ہی غور فرمایئے۔ کہ اگر وہ اپنے اسرار کو مجھ سے پوشیدہ رکھتا۔ یا مجھکو ہمراہ رکھنے میں اجتناب برتتا۔ تو میں اس کی حیرت انگیز شخصیت کی ظاہری صورت کے علاوہ باطنی اہمیت ذہن نشین کرنے سے کیوں نہ قاصر رہتا ؟

میرے اور شمیم کے مابین قایم شدہ ان گہرے مراسم کے متعلق بعض احباب نے اکثر مجھ سے دریافت کیا ہے۔ کہ اس سے تمہاری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی اور پھر ان گہرے تعلقات کے اسباب کیا تھے ؟ سنئے۔

جے پور سے اس طرف کھیتڑی سے آگے میری جاگیر میں جو والد قبلہ کی چھوڑی ہوئی کافی زمین اور کچھ جایداد پر مشتمل تھی۔ میرے ملازموں کو کسی رقیب پڑوسی نے سخت بیدردی سے قتل کر کے چند نہایت ضروری کاغذات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور چند نہایت قیمتی نادرات کے ساتھ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد اور مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کی مشترکہ قد آدم تصویر کو جو نہایت قیمتی تھی چرا لیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مجھکو اس کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت پڑی۔

میری دوکان کی شرقی جانب سنہری مسجد سے آگے امپیریل بنک آف انڈیا کے قریب ایک عالیشان دو منزلہ عمارت کے زیرین حصہ میں اسکا عظیم الشان

دفتر واقع تھا۔ صدر دروازہ میں داخل ہو کر اصل عمارت کے چوبی دروازہ پر "مسٹر
شمیم پرائیویٹ جاسوس دہلی" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا۔ کمرہ
نہایت وسیع تھا۔ اور آرائش کے لحاظ سے بھی قابل دید تھا۔ اس کے وسیع ہال
میں تقریباً تیس بتیس نوجوان ٹائپ رائٹر پر کام کر رہے تھے۔ سلسلہ جنبانی کیلئے
میں نے متجسس نظروں سے ان سب کو دیکھا۔ کہ آغاز گفتگو کے لئے کس کو منتخب
کروں لیکن اس سے پہلے کہ میں خود کسی کو منتخب کرتا ایک نوجوان خدمتگار میری
رہنمائی کے لئے آگے بڑھا۔ اور جب میں نے شمیم سے ملاقات کی خواہش ظاہر
کی۔ تو اسنے میرا ملاقاتی کارڈ لیکر جسپر گورنر جنرل کے Appointment
کے علاوہ سیاہ ابھرے ہوئے حرفوں میں میرا نام "سلیم فوٹوگرافر" لکھا ہوا تھا
مجھکو ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

چونکہ اسکے کثیر موکلوں کے علاوہ سرکاری جاسوس بھی مشورہ لینے یا کسی ایسی
خاص واردات کیلئے جنمیں انکو ناکامیابی کا منحوس منہ دیکھنا پڑا ہو۔ اسکی خدمات
حاصل کرنے کے لئے کافی تعداد میں موجود رہتے تھے۔ اسلئے اس کی مصروفیت
کی بنا پر مجھکو تقریباً دس منٹ منتظر رہنا پڑا اور جب دس منٹ بعد میں پرائیویٹ
کمرے میں داخل ہوا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ یہ کمرہ پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ
ارفع و اعلیٰ تھا انواع و اقسام کے نادرات اور اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے آراستہ
اور دیدہ زیب الماریوں سے مزین جنمیں قانون اور فن سراغرسانی کی لاانتہا
کتابیں شیشہ کے کواڑوں میں مقفل تھیں۔ وسط میں بچھی ہوئی میز کے گرد پڑی
ہوئی کرسیوں پر عام موکلوں کے علاوہ اب بھی کئی سی۔ آئی۔ ڈی آفیسر وہاں

موجود تھے۔ اور میز کی دوسری جانب ایک اعلیٰ درجہ کی قیمتی کرسی پر خوبصورت
کتابی چہرہ اور غزالی آنکھوں والا وہ برگزیدہ اور آزمودہ کار انسان بیٹھا ہوا تھا
جس کی ملاقات کا میں متمنی تھا۔ میری زبانی تمام واقعات سرسری طور پر معلوم
کرنے کے بعد جس ہوشیاری اور قابلیت سے اس نے میری گم شدہ چیزیں
ں میں۔ اور قاتلوں کو تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچایا۔ وہ خود ایک نہایت

ب واقعہ ہے۔

لیکن اس سے پہلے اچانک جو واقعہ پیش آیا۔ وہ اپنی شان کا واحد قصہ اور
اپنی قسم کی ایک نہایت ہی عجیب غریب داستان ہے۔ دو ہمشکل توام بھائیوں
کی جن کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے قدرت نے خود مجھکو ان کا ہمشکل بنایا تھا۔
ممکن ہے میرا خیال غلط ہو لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں ———
——— اور آپ خود بھی غالباً یہی رائے قائم کرینگے ——— کہ اس ہوشربا
واردات میں شمیم کی کامیابی میں مجھکو بہت کچھ دخل حاصل تھا۔
اور یہی وہ داستان ہے جس کی وجہ سے کچھ عرصہ ہمراہ رہنے اور شدید ترین
تکالیف اٹھانے کے باعث شمیم نے ہمیشہ مجھکو اپنا دوست سمجھا۔
مذکورہ واردات کے دوران میں اور اس کے بعد بھی سب سے زیادہ متحیر
کردینا والا خیال جس پر بارہا میں نے غور کیا ہے ——— ہم تین
شخصوں کی یکساں شکلوں کے متعلق ہے۔ کہ قدرت نے انکی تشکیل میں سرمو
فرق نہ رکھا تھا جس کی وجہ سے عوام کے علاوہ خواص کی ایک بڑی تعداد نے
بھی ہمیشہ دھوکہ کھایا اور یہی وجہ ہے واقعات کی رفتار کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔

لیکن اب اخبارات میں کتنے ہی ہمشکل انسانوں کے حالات پڑھکر میرے تعجب میں ایک گونا کمی واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ انجمن نوجوانان تاجران جنت دہلی کے قایم کئے ہوئے مولنا محمد علیؒ ریڈنگ روم میں میں نے سہ روزہ الامان کی ۲۷ ستمبر ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں فطرت کی اس بوالعجبی کے متعلق ایک مختصر سا مضمون دیکھا تھا جو یہ ہے۔

فورمل میں دو سگی بہنوں نے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں دو جڑے ہوئے بچے جنے ہیں۔ اتفاق یہ ہے۔ کہ دونوں کے شوہر راہ گیر ہیں۔ اور بچے بھی چاروں ایک ہی شکل کے ہیں بچے پیدا کرنے میں البتہ دونوں میں امتیاز پیدا ہوگیا ہے۔ کہ ایک بہن کی لڑکیاں ہیں۔ اور دوسری کے لڑکے۔

فطرت کی ان بوالعجبیوں کے حیرت انگیز مناظر میں ہمارا اور فورمل کا واقعہ ہی قابل ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اسی اخبار میں اسی مہینہ کی گذشتہ اشاعت میں دو اور ہمشکل عورتوں کا ذکر بھی پڑھ چکا ہوں۔

اس واقعہ کے متعلق مطمئن ہو جانے کے بعد کہ اس دنیا میں ایسے لاتعداد واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اب میں اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور یہ ۱۹۱۸ء کی ایک شب کا ذکر ہے۔ جبکہ شب کو اس ٹائم پر جانے والی۔ بی۔ بی اینڈ سی۔ آئی کی واحد گاڑی سے میں شمیم کو اپنے ہمراہ لیکر جاگیر پر جانا چاہتا تھا۔ لیکن جب وقت مقررہ پر ہم سٹیشن پر پہنچے۔ تو بد قسمتی کہوں ——

—— یا خوش قسمتی کہ گاڑی چند منٹ قبل روانہ ہو چکی تھی۔ ساڑھے

سے پہلے کوئی دوسری گاڑی اس طرف نہ جاتی تھی۔
لیکن اگر ہم صبح روانہ ہوتے۔ تو کہیں شام کو منزل مقصود پر پہنچتے۔ جس وقت تفتیش کرنی یا دیگر ضروری حالات معلوم کرنے دقت طلب کام تھا۔ اس لئے بذریعہ موٹر اسی وقت روانہ ہونا مناسب سمجھا۔ لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ راہ میں ہم کو کن تحیر خیز واقعات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور کسے معلوم تھا۔ کہ اسی رات میں رونما ہونے والے عجیب و غریب واقعات میرے اور شمیم کے درمیان دوستانہ مراسم اسقدر مستحکم کر دینگے۔
روانگی کے وقت آسمان ابر آلود تھا۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ اور رات نہایت تاریک تھی ہم ان سب سے لاپرواہ اپنی دھن میں منزل مقصود پر پہنچ جانا چاہتے تھے لیکن قسمت شاید کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ صبح تو کیا مجھکو ابھی چند ہفتے بھی جاگیر میں پہنچنا نصیب نہ ہوگا اور اس دوران میں ایسے ایسے ہوش ربا واقعات پیش آئیں گے جنکو دیکھکر عقل و ہوش دنگ رہ جائیں۔ بیشک انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔
موٹر کی سرچ لائٹ بھی گو ظلمت کی اس دہشت ناک تاریکی کو دور تک دور نہ کر سکتی تھی۔ میں اور شمیم ان تکالیف کے باوجود مُردوں سے شرط باندھے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر کبھی سگرٹ جلانے کی کوشش کی بھی جاتی۔ تو تیز ہوا اور سخت بارش کی بوندیں اسکو گل کر دیتی تھیں۔ تقریباً نصف شب کو بارش کا وہ سلسلہ بند ہوا۔ لیکن تاریکی ہنوز قائم تھی۔ بجلی کے کڑکنے اور بادل کے گرجنے کی خوفناک آوازیں بند نہ ہوئی تھیں۔ کہ ہمارا موٹر کسی دوسرے موٹر سے یکایک

ٹکرا گیا۔ اور میں گیند کی طرح اچھل کر موٹر سے دور زمین پر گر پڑا۔

اس خوفناک حادثہ کے ساتھ ہی میں نے تین چار آدمیوں کی خوفناک چیخوں کو سنا۔ لیکن فوراً ہی خاموشی طاری ہو گئی۔ میرے متعدد سوالات کے جواب میں بھی شمیم اور دوسرے لوگ کچھ نہ بولے۔

اس اثنا میں یکایک بجلی کوندی۔ اور اس کی روشنی میں میں نے ایک نہایت خوبصورت موٹر دیکھا۔ جو ہماری کار سے ٹکرا گیا تھا۔ اس خوفناک حادثہ کی وجہ سے اس کے اگلے پہیے بالکل علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور ہماری گاڑی کی باڈی بھی بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

دوسری مرتبہ بجلی کڑکنے پر میں نے نہایت خوفناک اور دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ نوآمدہ موٹر کے دو مسافر معہ ایک خوبصورت لڑکی کے جو گلاب کی پتی سے بھی زیادہ نازک تھی موٹر ڈرائیور سمیت بیہوش پڑے ہوئے تھے اس کے علاوہ شمیم زبردست دھکا لگنے کی وجہ سے موٹر میں بیٹھے ہوئے اگلی سیٹ سے ٹکرا گیا تھا۔ اور اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ جاری تھا۔ اس کی زبوں حالت دیکھکر مجھکو بیحد افسوس ہوا۔ کہ دنیا کی ایک ایسی جلیل القدر ہستی اسوقت بے بسی کے عالم میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ جیب میں رومال نہ ملنے کی وجہ سے میں نے اپنی قمیص کا دامن پھاڑ کر اس کا زخم باندھ دیا اور ہارن بجایا۔ کہ شاید آواز سنکر کوئی مدد کو آسکے۔

پھر دونوں موٹروں کے گدے نکالکر میں نے بارش سے بھیگی ہوئی زمین پر بچھا دیے اور شمیم کو بدقت اٹھاکر ان پر آرام سے لٹا دیا۔

اسکے بعد میں اس حسن کی ملکہ کی طرف متوجہ ہوا اسکی صورت کا نقشہ بیان کرنے سے
میری زبان قاصر ہو   آپنے چودھویں کا چاند یقیناً دیکھا ہو بس وہی اسکا چہرہ تھا میں نے
اسکی دلفریب صورت اور بھولی بھالی حیرت انگیز آنکھوں کو دیکھا اور حیران و ششدر رہ گیا
قلم میں طاقت نہیں کہ ان طرب انگیز بنفشی آنکھوں کا صحیح نقشہ پیش کر سکے۔ نرگس شہلا کی
مستی اور غزالوں کی شوخی اگر کسی چیز میں یکجا ہو سکتی ہے تو وہ ان آنکھوں میں تھی میں اسکو
بآرام لٹا کر ہٹا ہی تھا کہ ایک تیسری موٹر ہماری موٹروں کے قریب ہی آکر رک گئی۔
میرا خیال ہے کہ نووارد حضرات کی امداد سے دیگر زخمیوں کو بھی جو ابھی تک اسی طرح پڑے ہوئے
تھے۔ کار سے نیچے اتار کر اچھی طرح لٹا دیا جائے۔ میں انکا انتظار کرنے لگا۔
نووارد حضرات تعداد میں سوشوفر کے چار تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے آکر مجھ سے پوچھا
"جناب کیا ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟"
جی ہاں ان موٹر ڈرائیور . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .
. . . . . . . . . میرا جملہ ابھی پورا بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اس نے میرے
چہرے پر سرچ لائٹ ڈالی۔ اور ساتھ ہی وہ اچھل پڑا۔
"میرا مفرور قیدی"
اسکی زبان سے نکلا اور فوراً ہی اس نے شست باندھ کر مجھ پر گولی چلا دی۔
گولی میرے بائیں بازو کے پار ہو گئی اور میں شدت کرب سے فوراً گر پڑا۔ میرے گرتے
ہی شور وغل کی آواز آئی۔ جو شاید ان لوگوں کی تھی جو میرے بجائے ہوئے ہارن یا
پستول کی آواز سنکر اس ڈراؤنی اور خوفناک رات میں میری امداد کو آئے تھے
لیکن میں شدید تکلیف کے باعث بیہوش ہو گیا۔

# دوسرا باب (۲)

## میں اور وہ

وثوق کے ساتھ یہ کہنا تو ذرا مشکل ہے۔ کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا لیکن جس وقت میری آنکھ کھلی تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ میں ایک نہایت عالی شان محل میں جو قیمتی فرنیچر سے سجا ہوا تھا اس ماہ جبیں کی ران پر سر رکھے ہوئے لیٹا تھا جسکو صحرا میں میں نے موٹر سے بے ہوش اتارا تھا۔ وہ اپنا دستِ حنائی میرے ماتھے پر اور دوسرا زخمی بازو پر رکھے ہوئے نہایت محبت بھری نظروں سے میری طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھ رہی تھی مجھے ہوش میں دیکھ کر اس کے لب نازک کو جنبش ہوئی۔ اور اُس نے نہایت آہستگی سے "کرشن" ............. کرشن .............

............ پیارے کرشن ............. کہا۔

لیکن مجھے خاموش دیکھکر وہ پھر کسی خیال میں غرق ہو گئی۔ میں اس معمہ کو حل نہ کر سکا۔ میری نگاہیں اپنے "رفیق" "نسیم" کو تلاش کر رہی تھیں۔ لیکن اس عالیشان محل میں جہاں اسوقت ہم دونوں تنہا تھے۔ کوئی تیسرا متنفس موجود نہ تھا۔ میں دریافت حال کے لئے بولنا چاہتا تھا۔ لیکن نقاہت کیوجہ سے بجد کوشش کے باوجود میرے ہونٹ وا نہو سکے۔

مجھے اپنی کوشش میں ناکامیاب دیکھکر اس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو

چھلک آئے۔ اور اُس نے نہایت بیتابی کے ساتھ مجھکو اپنی آغوش میں لیکر وہی سابقہ فقرے دوہراتے :۔

" کرشن "........... کرشن " ...........

........... پران ناتھ بولو ...........

.... بولو ............... آہ میں کیا کروں ؟

اپنے ساتھ ہی اس کی انتہائی بے بسی اور واقعات کو بیحد پیچیدہ دیکھکر جبکہ میں بے حس و حرکت پڑا رہنے پر مجبور تھا۔ اور کوشش کے باوجود بول بھی نہ سکتا تھا۔ میں نے زخم کی ناقابل برداشت تکلیف سے آنکھیں بند کرلیں۔

آنکھیں بند کرتے ہی اُس نے میری چشم نیم باز کا بوسہ لیا۔ بوسے کے ساتھ ہی بجلی کے مانند ایک قسم کی کیفیت میرے تمام جسم میں سرایت کرگئی اس کے حد سے تجاوز کر جانے پر میں نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسکی آغوش سے زبردستی آزاد ہونے کی کوشش کی۔ اس اثنا میں اسکا وہ ہاتھ جو میرے ماتھے پر رکھا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے سرک گیا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ اور وہ اپنی جگہ سے اچھل کر پیچھے جا پڑی۔

مجھے تعجب تھا کہ ایک لمحہ پہلے جو عورت الفت کی سراپا تصویر تھی۔ وہ میری ذرا سی بے نیازی پر مجھے ایک خوبصورت انسان کی بجائے سیاہ ناگ سے بھی زیادہ کیوں خطرناک سمجھنے لگی۔

مجھے بت کے مانند بے حس اور بالکل خاموش دیکھکر اس نے نہایت شرم و حیا سے پوچھا۔

پران ناتھ کے ہشکل انسان برائے خدا جلد بتاؤ۔ تم کون ہو؟ اور اس بے تکلفی کو نظر انداز کرو۔ غلطی سے جس کی میں ابتک مرتکب رہی ہوں بارش کے باعث اگرچہ سردی کافی تھی۔ لیکن اس سرد رات میں بھی میں نے دیکھا کہ حجاب سے اسکی جبین ناز پر پسینہ آگیا تھا۔ نہایت خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی آواز اعلیٰ درجہ کی ترنم خیز تھی۔ میں نے اس کی شیریں زبانی پر مسحور ہوکر نہایت ادب سے جواب دیا۔

جناب میں دہلی کا باشندہ ہوں۔ ایک ضروری کام کی تکمیل کی غرض سے مجبوراً اس طوفانی رات میں ایک دوست کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ کہ تاریکی میں ہماری گاڑی یکایک آپ کی موٹر سے ٹکرا گئی۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ تمام بے ہوش حضرات کی خدمت کے لئے میرے ہوش وحواس قائم رہے اپنے دوست شمیم اور آپ کو باآرام لٹا کر میں ابھی آپکے دوسرے ہمراہیوں کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا تھا۔ کہ اسی سمت سے جس سے آپ تشریف لا رہی تھیں ایک اور موٹر آئی۔ اور اسپر سفر کرنے والے لوگوں میں سے ایک صاحب نے کسی دوسرے شخص کے دھوکہ میں مجھ پر گولی چلا دی اس ناقابل برداشت تکلیف کیوجہ سے میں فوراً بے ہوش ہوگیا اور اسوقت تک ہوش نہیں آیا۔ جب تک آپنے مجھے ہوش میں لانے کی تدابیر اختیار نہ کیں۔

میں تکلیف کیوجہ سے رک رک کر اپنی داستان سنا رہا تھا۔ اور وہ حیرت و استعجاب کا مرقع بنی ہوئی میری طرف متوجہ تھی۔ میں اپنی گفتگو ختم کر چکا لیکن وہ اب بھی میری طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے خاموش تھی۔ گویا اس کے خیال

ں میں اب بھی اسکو اپنی داستان غم سنا رہا تھا۔ آخرکار تھوڑے وقفہ کے
بعد میں نے پوچھا۔
کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں؟ (۱) میں اسوقت کہاں ہوں؟ (۲) مجھے یہاں
لانے والا کون ہے؟ (۳) اور میرا عزیز دوست جو مجھ سے قبل بے ہوش
ہو چکا تھا۔ مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔
(۱) عشرت محل نامی یہ شاندار محل ریاست کھیتڑی کی حدود کے
قریب واقع ہے (۲) مجھکو اور میری مانند پران ناتھ کے دھوکے میں آپکو
یہاں لانے والا نرائن نامی ایک نہایت ظالم شخص ہے۔ جو کچھ عرصہ سے
زبردستی ہمارے اس محل پر قابض ہو گیا ہے۔ (۳) آپ کے دوست کو
نہ میں نے دیکھا۔ اور نہ میں واقف ہوں کہ ان ظالموں نے اسکا کیا حشر کیا۔
متذکرہ بالا مختصر جوابات دیکر وہ بدستور خاموش ہو گئی۔ اور میں نے
دیکھا۔ کہ وہ رو رہی تھی۔ اس کے پیارے شوہر کی یاد اسکو رہ رہ کر تڑپا تی تھی
اور اسکی الفت اسکو بےچین کئے دیتی تھی۔ اس کی بیکلی اور آہ و بکا اثر انداز ثابت
ہوئی۔ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خود بھی رو رہی تھی۔ اور مجھکو بھی
رلا رہی تھی۔
مقید ہونے کے باوجود میں نے اسکی ہر امکانی مدد کرنے کا صمیم قلب
سے ارادہ کیا۔ اس کی غزالی آنکھوں میں سے بہتے ہوئے موتیوں کے مانند
صاف وشفاف آنسو میرے دل میں اسیر نثار ہو جانے کا جذبہ پیدا کر رہے
تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کے پران ناتھ کون ہیں؟ اور آپ حضرات پر یہ ظلم وستم کیوں روا رکھے جا رہے ہیں؟۔

میرے مذکورہ سوال پر اس کے منہ سے یکایک ایک چیخ نکلی اور اسکے بعد وہ بے انتہا روئی۔ لمحہ بہ لمحہ اسکی حالت خطرناک ہوتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میری ہمدردانہ باتیں اسکے زخموں پر مرہم کا کام دیں۔ لیکن حیرت ناک واقعات اور اس کی خطرناک حالت نے میری زبان پر مہر خاموشی ثبت کر دی میں کوشش کے باوجود خاموش تھا۔ اور اس کے آگے اپنے زخم کی تکلیف کو بھی بھول چکا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس کی ابتر حالت میں میں نے کچھ فرق محسوس کیا۔ کیونکہ اس نے اپنا نہایت قیمتی رومال چشم گریاں سے ہٹا کر پولکے میں رکھ لیا تھا۔ اور اب اسکے دست حنائی ساڑھی کو درست کرنے میں مصروف تھے جو شدت کرب کے باعث سر سے سرک گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

ہمدرد انسان خدارا خاموش رہو۔ . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . عجیب طلسم ہے۔ کہ صرف تمہاری صورت ہی پران ناتھ سے نہیں ملتی بلکہ انداز تکلم بھی ویسا ہی پایا ہے . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . میں بتا دنگی کہ ہم پر کیا بپتا پڑی . . . . . . . . .

. . . . . . . . اور اپنی داستان غم تمکو سناؤنگی مگر للہ اپنی طرف

سے کوئی سوال نہ کیجئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
آپ سمجھے ایک دکھ کی ماری دیوانی آپ سے خاموش رہنے کی اپیل کر رہی ہے۔ بلکہ جہاں ہماری خاطر آپنے پستول کی گولیاں کھائی ہیں۔ وہیں اگر آپ تھوڑا سا ایثار اور کریں تو میں احسانمند ہونگی۔

کیونکہ بولنے سے وہ مجھکو منع کر چکی تھی۔ اور اسکی دلی کیفیات اور نازک احساسات کا میں بخوبی اندازہ لگا چکا تھا۔ اسلئے میں نے اسکی اپیل پر سر تسلیم خم کیا۔

اس نے بغیر ایک سیکنڈ رُکے اپنی تقریر کو برابر جاری رکھا۔ اور کہا۔ جہاں آپنے اپنے منہ پر خاموشی کا قفل لگایا ہے۔ وہیں اگر آپ اپنے چہرہ پر نقاب بھی ڈال لیں۔ تو میں ایک بہت بڑی تکلیف سے نجات پا سکوں گی۔ کیونکہ آپکا چہرہ دیکھکر میں سمجھ رہی ہوں۔ کہ میرے سامنے پران ناتھ موجود ہیں جنپر میں پروانہ وار نثار ہوں۔ اسکے علاوہ ایک ہندوستانی عورت ہونے کے سبب اس کی الفت کا ذکر یا ظالم نرائن کی حرامکاری کی داستان بیان کرتے ہوئے حجاب مانع ہے۔

بغیر اپنی زبان کو روکے ہوئے اس نے نقاب کے لئے مجھے اپنا ہی قیمتی رومال پیش کیا۔ میں نے تعمیل ارشاد میں ایک منٹ کی تاخیر نہ کی۔

اس اثنا میں اس نے مجھ سے جو کچھ کہا۔ وہ یہ تھا۔ کہ میرا انداز تکلم اسوقت بہت بے حجابانہ ہے۔ اور آپکے سامنے وہ سب کچھ گوش گذار کر رہی ہوں جو ایک باحیا عورت کے منہ سے کبھی نہ نکلنا چاہیے تھا لیکن آہ میں مجبور ہوں۔

ظالم کیوپڈ نے انکی محبت کا تیر مار کر میرے سینہ کو چھلنی کر دیا ہے۔ اس تیر کی نوک میرے دل میں ہر وقت ایک میٹھی میٹھی خلش پیدا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں میرے سامنے انکی ایک ایسی جیتی جاگتی تصویر پیش نہ کرنی چاہیئے۔ جسپر میرا دل پروانہ وار نثار ہونے پر آمادہ ہو۔ اب آپنے اپنے چہرہ پر نقاب ڈالکر میری دلی تمنا کو پورا کر دیا ہے۔ اب میں کہونگی ..........

.......... نہیں بلکہ جوش جنوں کہوائیگا ......

.......... لیکن آپ سے نہیں۔ بلکہ میری داستان صرف درو دیوار سنیں گے۔ کیونکہ زبان بند کرانے اور منہ پر نقاب ڈلوانے کے بعد میں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ اب یہاں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئی۔

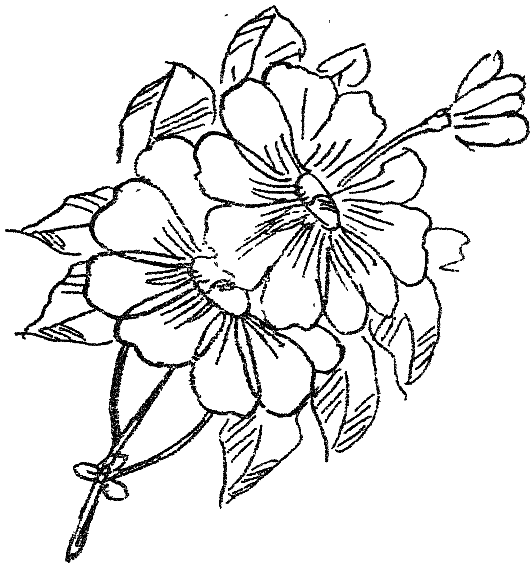
نقاب کی وجہ سے میں اس کے دلی جذبات معلوم کرنے سے قاصر تھا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ غالباً وہ اپنے پراگندہ حواس درست کر رہی تھی۔ ذرا سی دیر بعد وہ پھر بولی۔

آہ ظالموں نے انکو اسیر کر لیا ہے۔ اور نہیں معلوم وہ اسیر بلا .......... کہاں مقید کر دیا گیا ہے ..........

.......... نہ معلوم جگہ جہاں طائر خیال بھی نہ پہنچ سکے ..........

اس کے بعد وہ پھر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک سسکیوں کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر اس نے کہا:۔

میری داستان الم سننے کے لئے پتھر کا نہیں بلکہ فولاد کا دل چاہئے
لبا کسی انسان میں طاقت نہیں کہ وہ داستان الم سنے اور اشکبار نہو لیکن
ں سناؤنگی..................
...... سناؤنگی۔ ہاں ہاں سناؤنگی درو دیوار کو سناؤنگی کہ
مان ہم پر کیسے کیسے ظلم کر رہا ہے۔



# تیسرا باب (۳)

# داستانِ الم

اس کی تقریر نہایت جوشیلی تھی۔ کبھی تو اس کی زبان قینچی کی طرح جلد جلد چلتی۔ اور کبھی فرطِ غم سے اس کی آواز گلوگیر ہو جاتی تھی۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ اتنی پرسوز تقریر سننے کا نہ مجھے پہلے کبھی اتفاق ہوا۔ اور نہ اس کے بعد ایسے غم انگیز افسانے سے دوچار ہونا پڑا۔ حقیقتاً وہ اپنے پران ناتھ کی دیوانی تھی۔ اور حضرتِ عشق نے اس نازوں کی پلی ہوئی نازنین کی زندگی تباہ و برباد کر دی تھی۔ اس نے مجھ سے یا خود اس کے اپنے خیال میں در و دیوار سے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے :۔

پران ناتھ مہاراج بلونت سنگھ والی کھیتڑی کی سینیر مہارانی کے بطن سے پیدا ہوئے جبکہ اسی دن شام کو ایک ہریجن خاتون ساوتری کے ہاں ان کا ہمشکل بھائی کشن تولد ہوا۔ سنا جاتا ہے کہ اس اچھوت خاتون سے مہاراج نے باقاعدہ شادی نہ کی تھی بلکہ محض اس کے ملائیک فریب حسن کیوجہ سے اسکو یونہی اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔

لیکن حسن اتفاق سے وہ دونوں بھائی رنگ و روپ میں بالکل

یکساں ہیں۔ حتیٰ کہ خود بڑے مہاراج اکثر ان دونوں میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے تھے اسی سبب سے لوگوں کی اکثریت انکو توام بھائی کہتی ہے۔

ان دونوں کی پیدائش کے بعد دو سال کے قلیل عرصہ میں ایک نہایت افسوسناک واقعہ کی بنا پر بڑے مہاراج اور ساوتری کے درمیان کچھ ناچاقی ہوگئی۔ اس سنگین معاملہ کو ختم کرنے کے لئے ایک انسپکٹر کو فوراً علیحدہ کر دیا گیا۔ اور خود مہاراج نے مرتے دم تک ساوتری کی شکل دیکھنی پسند نہ کی۔

دوران تقریر میں مقررہ نے اپنا نام تو نہیں بتایا۔ لیکن اسنے اپنے متعلق اور تمام حالات وضاحت سے بیان کئے۔ کہ:۔

وہ سینیر مہارانی کے بھائی کی اکلوتی نور نظر ہے۔ اور یہ کہ اسکی تعلیم و تربیت ان دونوں توام بھائیوں کے ساتھ تکمیل کو پہنچی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ تعلیم کی غرض سے یورپ بھیجے گئے۔ تب بھی وہ انکے ہمراہ تھی۔ سینیر مہارانی اپنے لخت جگر کی مانند اسکو پیار کرتی تھیں۔ اور خود مہاراج اسکی نسبت بہت پاکیزہ خیال رکھتے تھے ان کا خیال تھا۔ کہ وہ تمام خاندان میں سب سے زیادہ خوبصورت۔ باحیا اور نہایت تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ کرشن کے ساتھ تعلیم پانے کے علاوہ ان کے درمیان محبت کا رشتہ قایم ہونے میں مہاراج کی عنایات کو بہت بڑا دخل تھا۔ آخر کار یورپ بھیجے سے پہلے مہاراج بلونت سنگھ مرحوم نے ان دونوں کی شادی کر دی۔ اور دونوں کی

لاثانی محبت دیکھتے ہوئے اسکو کرشن کے ساتھ یورپ بھیجا۔ کرشن اور کشن کے متعلق ہر چیز میں خیال رکھا جاتا تھا۔ کہ ساوتری کے گناہ کی پاداشش میں اسکے لخت جگر کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسلیئے وہ اپنے بھائی اور بھاوج کے ساتھ نہایت آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتا تھا

اور جبکہ وہ اس خوبصورت جوڑے کے ساتھ یورپ میں تعلیم پارہا تھا۔ اس کی ماں نے جو دوبارہ اقتدار حاصل کرنے میں ناکامیاب رہی تھی۔ انتقام کے جوش میں مہاراج کو قتل کرنے کے لئے ایک سکیم تیار کی۔ اس قاتلانہ سکیم کا بھانڈا اسوقت پھوٹا جب مہاراج دیئے ہوئے زہر کے اثر کر جانے سے آخری سانس لے رہے تھے سرکاری حکماء اور ڈاکٹروں کی جانفشانی کے باوجود موت کے زبردست پنجے سے انکو کوئی نہ بچا سکا۔

مرنے سے قبل مہاراج نے اس قلیل وقت میں فوراً ایک پارلیمنٹ کی تشکیل کی۔ پارلیمنٹ کے اقتدار کا زمانہ صرف چار سال تھا۔ تاکہ پچیس سال کی عمر میں ولیعہد کو تخت نشین کردیا جائے دستور کے موافق پارلیمنٹ کا الیکشن ایک سال میں ایک مرتبہ ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا۔

یہ سنکر تعجب ہوگا۔ کہ ابتداء سے ولیعہد کا انتخاب ہی نہ کیا گیا تھا بلکہ اس کے متعلق ایک نہایت ہی عجیب غریب طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ برطانوی سکہ کے برابر اس قدیم طلائی سکہ پر جو

تخت نشینی سے پہلے ولیعہد کے گلے میں پہنانا ضروری سمجھا جاتا تھا حسب ذیل الفاظ کندہ کرا دیے گئے تھے۔

"دونوں حصوں کے ملنے پر تاجپوشی کا انحصار ہے"

اور پھر اسکو توڑ کر اس کا ایک ٹکڑا پارلیمنٹ اور دوسرا وزیر اعظم کو دیدیا گیا۔ گویا اس طرح پوری پارلیمنٹ اور ایک شخص واحد کی پوزیشن برابر کر دی گئی۔ لیکن وزیر اعظم پر پارلیمنٹ کے احکامات کی تعمیل فرض تھی۔

وزیر اعظم کے عہدہ جلیلہ پر قیصر صاحب تا زندگی فائز کئے گئے تھے قیصر اور پارلیمنٹ کو ہدایت تھی کہ چار سال بعد وقت مقررہ پر کرشن یا کشن میں سے جسکو پبلک مناسب خیال کرے دونوں طلائی ٹکڑے ملا کر اس کے گلے میں ڈالدیں۔ اسکے بعد منتخب شدہ شخص کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا جائے۔

اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ساوتری کے اس عظیم گناہ کا کوئی اثر کشن پر نہ پڑا تھا۔ بلکہ مہاراج دونوں نور العینوں کو یکساں سمجھتے تھے۔ اس ہی لئے انہوں نے کسی ایک کو تاج و تخت دیکر دوسرے کو محروم نہ کرنا چاہا۔ بلکہ ایک ایسے فیصلہ کو جسے خود انہیں طے کرنے کا پورا حق تھا ان دونوں کی قسمت پر چھوڑ دیا۔

گو ساوتری کے جرم کو قطعی نظرانداز کر دیا گیا۔ اور اسکو اپنے گناہ کی پاداش میں کوئی سزا نہ بھگتنی پڑی۔ لیکن مہاراج کی بے وقت

موت کے بعد وہ خود بھی کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکی ۔ بلکہ چند ماہ بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا جبکہ اس کا نورنگاہ کشن انگلینڈ میں بظاہر تعلیم میں مشغول تھا ۔ لیکن درپردہ اپنی بھاوج کی عصمت خراب کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا ۔ گو وہ اپنے مذموم ارادوں میں ہمیشہ ناکام رہا ۔ لیکن ساوتری کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنی زندگی کے آخری آیام میں بھی خاموش نہ رہی بلکہ اُس نے ایک سازش تیار کی تھی ۔ کہ ارکان پارلیمنٹ اور وزیر اعظم کو سیم و زر سے خرید کر اور کرشن کو تخت سے محروم کر کے کشن کو تخت نشین کر دیا جائے لیکن وزیر اعظم اپنا ایمان بیچنے پر آمادہ نہ ہوا ۔ اتفاق سے کشن امتحان میں ناکام رہا ۔ جبکہ اسکے دوسرے بھائی کرشن نے اسی امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی تعلیم سے فارغ ہو کر کرشن معہ اپنی ماہ پارا بیوی کے جو اس وقت مجھ نقاب پوش کو یا خود اپنے بیان کے مطابق درودیوار کو اپنی داستان الم سنا رہی تھی ہندوستان واپس آ گیا ۔ مگر کشن کو ناکامیابی کی وجہ سے ابھی یورپ میں ٹھہرنا پڑا ۔

لیکن اس اثنا میں پارلیمنٹ کے تیسرے الیکشن کے موقعہ پر کرسی صدارت کے لئے نرائن نامی ایک شخص انتخاب کر لیا گیا جو ساوتری کی سازش میں شریک تھا اور جو دراصل یہ چاہتا تھا ۔ کہ کشن کو کٹھ پتلی بنا کر خود حکومت کرے ۔

اب برسر اقتدار ہوتے ہی پھر اسنے وہی پروپاگینڈہ شروع کیا۔ اور اس طلائی ٹکڑہ کو جو پارلیمنٹ کے پاس محفوظ تھا پوراسرار طور پر وہاں سے غایب کردیا۔ اور ایسا کرنے میں اسے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ ہوا۔ کرسی صدارت پر فائیز ہوتے ہوئے یہ شنیع فعل اسکے لئے نہایت سہل تھا۔

دوسرے ٹکڑے کو حاصل کرنے کے لئے قیصر کے محل میں صرف ڈاکے ہی نہیں ڈالے گئے۔ بلکہ حصول مقصد کے لئے کئی مرتبہ انپر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ لیکن جان عزیز کا خوف ہوتے ہوئے بھی وفادار وزیر نے مالک کے حکم سے سرتابی نہ کی۔

آخر کار اسکو دھوکہ دیا گیا۔ یعنی نراین نے کرشن کی تعلیم کے سلسلے کو منقطع کراکے اسکو پوشیدہ طور پر ریاست میں بلالیا چونکہ ان بھائیوں کی صورت میں سرمو فرق نہیں تھا۔ اسلئے نراین اپنی اس چالاکی میں کامیاب ہوا یعنی کرشن نے قیصر کو دھوکہ دیکر ٹکڑا حاصل کرلیا۔ قیصر کرشن کی عادات وخصائیل سے بخوبی واقف تھا اور اسکو حد درجہ ایماندار سمجھکر صرف دیکھکر واپس کردینے کے لئے وہ ٹکڑہ اسکے حوالے کردیا تھا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا۔ کہ میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ تو وہ حد درجہ متاسف ہوا۔ کرشن کے پاس قبل از وقت دونوں ٹکڑے پہنچنے پر اس کا پشیمان ہونا بجا تھا۔ کہ اب آنائی آخری وصیت کو کس طرح پورا کیا جائیگا اور پبلک وکرشن

کو کیا جواب دیا جائے۔

اور حقیقتاً پبلک اس دغا بازی سے بھڑک اٹھی اور اعلان کر دیا
کہ وہ موجودہ صورت میں مہاراج بلونت سنگھ کی آخری وصیت کو
پورا کرنے کے لئے تیار نہیں یعنی اس سخت دھوکہ دہی کے بعد پبلک
ٹوٹے ہوئے جملے کی عدم موجودگی میں بھی کرشن کو تخت نشین کرنا چاہتی
تھی۔ لیکن کرشن نے پبلک کی اس متفقہ آواز کو ٹھکرا دیا۔ کہ وہ اس
طرح احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنے باپ کی وصیت کی توہین نہیں
کر سکتا۔ بلکہ اس نے کشن اور کشن ہی کی وجہ سے نرائن کے کئے ہوئے
جرائم پر پردہ ڈالنے کیلئے کشن کے حق میں تاج و تخت سے دست برداری
کا اعلان کر دیا۔

سینئیر مہارانی اور خود کرشن کے دستخط کئے ہوئے اعلان کے
باوجود کشن پارٹی مطمئن نہ ہوئی۔ شکار گاہ میں گولی چلا کر کرشن کو
مار ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن جب وہ صحتیاب ہو گیا۔ تو آخر کار
دھوکہ سے گرفتار کر کے اسکو کسی نامعلوم جگہ مقید کر دیا گیا۔

اپنے پیارے شوہر کے اغوا کئے جانے کے واقعات بیان کرتے ہوئے
وہ حسین نازنین ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ کیونکہ یہ خیال کیا جا رہا
تھا۔ کہ راہ کا کانٹا سمجھکر کشن پارٹی نے اسکو قتل نہ کر دیا ہو۔

فرط غم سے یہاں کچھ دیر تک اسکی آواز نہ نکل سکی۔ لیکن پھر اس نے
غمگین لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ کہ:۔

انتہائی کوشش کے باوجود اس اسیر بلا کا پتہ نہ چلا۔ لیکن عرصہ کے بعد آج ہی شام کو قیصر کو اطلاع ملی۔ کہ قصبہ بلسانہ میں جو اس ریاست کی سرحد پر واقع ہے۔ کرشن مقید ہے۔ مذکورہ اطلاع پر قیصر معہ اس حسن کی ملکہ اور چند ملازمین کے شدید بارش کے باوجود منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے لیکن راہ میں موٹر کے حادثے کی وجہ سے وہ سب بیہوش ہو گئے۔

اس کے بعد بیہوش ہو جانے کی وجہ سے اسکو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ قیصر وغیرہ کا کیا حشر ہوا۔ لیکن جب اسکو ہوش آیا۔ تو وہ میرے ساتھ اس عالیشان محل میں مقید تھی۔ میں کرشن کا بالکل ہمشکل تھا۔ اسلئے وہ سمجھی کہ پران ناتھ کے ساتھ ہی اسکو بھی مقید کر دیا گیا ہے۔ خود اس دھوکہ میں مبتلا ہونے پر وہ بالکل متعجب نہ تھی۔ جبکہ کرشن کے والدین خود بارہا دھوکہ کھا چکے تھے۔ اس کا بیان تھا۔ کہ چونکہ میرے ساتھ یہاں مقید ہونے والا بھی ان کا ہمشکل ہے۔ اسلئے اسکو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کہ وہ کرشن کے علاوہ کوئی دوسرا متنفس ہے۔ فراق یار میں آزادی کی زندگی بسر کرنے کی بہ نسبت اس نے اپنی اس قید کو بہتر سمجھا جبکہ وہ یہاں پران ناتھ کے دیدار سے مشرف تھی۔ لیکن اسکے بازو کو زخمی دیکھکر وہ ششدر رہ گئی۔ اور گھبرا کر اسکو اپنے پہلو میں لے لیا۔ اور خون بہتے ہوئے زخم پر پٹی باندھ دی۔

لیکن چند لمحہ بعد ہوش آجانے پر جبکہ خود اس نے اس کے پہلو سے علیحدہ ہونے کی کوشش کی۔ تو پران ناتھ کے ماتھے سے اس کا ہاتھ سرک گیا۔ ہاتھ سرکنے پر جب اُسنے اسکی پیشانی کو بے داغ دیکھا۔ تو وہ متحیر رہ گئی۔ وہ سخت حیران تھی کہ نائٹریٹ آف سلور ( NITRATEOFSILVER ) کا وہ خوبصورت سیاہ نشان جو خود اس نے نظر بد بچانے کیلئے پران ناتھ کی تابناک پیشانی پر بنایا تھا۔ کہاں گیا۔ لیکن متحیر الفہم کی طرح فوراً ہی اسکو خیال ہوا کہ یہ یقیناً کشن ہے۔ جسکو میں اب تک پران ناتھ سمجھتی رہی ہوں۔ کیونکہ کشن کے ماتھے پر اس قسم کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ ایک خوفناک چیخ مار کر علیحدہ ہو گئی۔ لیکن اسکو تعجب تھا۔ کہ کشن اپنے محسن نراین کے محل میں اس بری طرح زخمی ہوا کیوں پڑا ہے۔ اور پھر یہ کہ بغیر مرہم پٹی کے اس لاپرواہی کے ساتھ کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اور جب اس زخمی انسان نے کشن ہونے سے بھی انکار کیا اور یہ بتایا کہ وہ دہلی کا باشندہ ہے۔ تو وہ اور زیادہ حیرت واستعجاب میں غرق ہو گئی۔ وہ کبھی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ وہ کشن کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہو سکتا ہے۔ لیکن بغور دیکھنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ شخص واقعی سچا ہے۔ کیونکہ اس کے کانوں میں کشن کی طرح موتیوں کی مرکیاں موجود نہ تھیں۔ اور

کرشن وکشن کی طرح اسکے کان چھدے ہوئے تھے۔

النقش کل الحجر ہو جانے والی عبرتناک داستان ختم کر کے اس
نے دل ہلا دینے والی ایک آہ کھینچی اور خاموش ہو گئی۔ منہ پر نقاب ہونے
کی وجہ سے میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس نے اس افسوس ناک قصہ کو ختم کرنے
کے بعد میرے چہرہ پر امداد حاصل کرنے لئے کوئی پرامید نگاہ ڈالی یا نہیں لیکن
بہرحال میں نے زمانہ حال کے بہترین سراغرساں شمیم کا مختصر سا حال اسکے
گوش گذار کر کے اسکو حتی الامکان مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

گو ابھی نہ کوئی امداد کی گئی تھی۔ نہ امداد کے لئے کوئی سکیم سوچی گئی تھی۔
ورنہ شمیم ہی کا پتہ تھا۔ جس کے شہرہ آفاق نام پر میں اسکو مطمئن کرنا چاہتا
تھا لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اس نے امداد حاصل کرنے سے پہلے ہی
میرا پرخلوص شکریہ ادا کیا۔

پیشگی شکریہ کے الفاظ ہنوز ختم نہ ہونے پائے تھے۔ کہ کسی کی آہٹ
سنکر وہ خاموش ہو گئی۔ اور فوراً زخم خوردہ شیرنی کی طرح جھپٹ کر اس نے
میرے چہرہ سے اپنا قیمتی رومال علیحدہ کر لیا۔

# چوتھا باب (۴)

## گہرا راز

بااصرار نقاب ڈلوانے کے بعد اس طرح بے نقاب کرنے پر میں سخت متعجب ہوا۔ لیکن نووارد شخص کی آمد کے باعث جس نے کرشن سے کے دھوکے میں تھوڑی دیر قبل گولی مار کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی میں خاموش رہا۔ غالباً یہ بے رحمی، سنگدلی، کینہ، بغض اور شرارت کا مجسمہ ذات تھا جس نے آتے ہی مجھ کو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہوئے ایک قہقہہ لگایا۔ اور راج کماری سے کہا۔

مہر و ماہ سے زیادہ خوبصورت لڑکی اس بدقسمت شوہر کے ساتھ تجھے بھی تکالیف کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ لیکن تجھے اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہونا چاہیے تیری بے ہوشی کے باوجود تیرے مژگاں کے تیر مجھے زخمی کرنے میں ضرورت سے زیادہ کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ تو نے دیکھ لیا کہ ہمارے مغرور قیدی کو لے اڑنے کی بجائے تو خود بھی گرفتار ہو گئی ——

لیکن مجھے امید ہے کہ تو زنداں کی تکالیف سہنے کی بہ نسبت بھا سیج کو پسند کرے گی جو . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . .

راج کماری (غصہ سے بیتاب ہو کر) مغرور کتے ضرورت سے زیادہ شادماں
نہ ہو۔ وہ دن قریب ہے۔ جبکہ تو اپنے کھودے ہوئے کنوئیں میں خود ہی غرق
ہو جائے گا۔

مجھے تعجب تھا۔ کہ وہ اس ظالم وستمگار کی قید میں مقید ہونے کے
باوجود بالکل نڈر تھی۔ اور اس نے نہایت لاپرواہی سے اس کے سوال
کا دندان شکن جواب دیکر حقارت کے ساتھ اس کی جانب سے نگاہ پھیر لی

حرافن۔ پریم لتا۔ گو میں جانتا ہوں۔ کہ میری طرف سے اس سخت کلامی کا
جواب ایسا ہی دندان شکن ہونا چاہیئے تھا۔ کہ تم عمر بھر اسکو نہ بھول سکو
لیکن تمہاری خوش قسمتی سے تمہاری محبت کا تیر میرے دل میں پیوست
ہو چکا ہے اور تمہارے خلائق فریب حسن سے مسحور ہو کر مجھے تمہاری اس
غلطی کو مجبوراً نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن اس دغاباز کرشن کو کبھی معاف
نہیں کیا جا سکتا۔ جو اپنے توام بھائی کو تاج و تخت سے زبردستی محروم کرنا
چاہتا ہے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اسکو قتل کرنا نہایت ضروری تھا تاکہ
راہ کا کانٹا ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے۔ لیکن تمہاری چشم سیاہ کی رعایت
سے صرف اسکو عمر بھر کے لئے قید کر دیا جائیگا۔ تاکہ اپنے اعمال کی قرار واقعی
نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ سزا ضرور بھگت سکے۔

پریم لتا۔ نمک حرام کتے۔ خاموش رہ۔ کہ اپنی بہو بیٹیوں کے سامنے
اپنی بوالہوسی کی داستان سنا کر کوئی روسیاہ انسانیت کے دائرے
سے باہر نہیں رہ سکتا۔ مجھکو معلوم تھا۔ کہ تو نے اس مقدس محل کو عرصہ سے

بدکاری کا مرکز بنا رکھا ہے [illegible] یہ خواب میں بھی کسی کو خیال نہ تھا کہ تو
شریفوں کی عصمت پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ متذکرہ بالا جوشیلے الفاظ ادا کرنے
کے بعد وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن جوش سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔
اور اسے مجبوراً خاموش ہونا پڑا

نرائن۔ میں تیری زبان سے وعظ سننے کا آرزومند نہیں بلکہ صرف اقرار
محبت سننے کا خواہشمند ہوں۔

یہ جانتے ہوئے کہ میں اسوقت سلیم نہیں بلکہ کرشن ہوں۔ میں نے
خاموش رہنا مضر سمجھا۔ اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہمشکل ہونے کے علاوہ
میری آواز بھی کرشن سے ملتی جلتی ہے میں نے تحکمانہ انداز میں سکولللکارا
جہنمی کیڑے۔ مجھ سے مخاطب ہو۔ اگر پریم لتا کی طرف متوجہ ہوکر تیری
زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو یاد رکھ زبان کھینچ لی جائے گی۔

نرائن نے میری مختصر مگر پرجوش تقریر کو نہایت حقارت سے سنا
اور تقریر کے اختتام پر ایک نہایت نفرت انگیز قہقہہ لگاکر اُسے زور سے
تالی بجائی جس سے تمام محل گونج گیا۔ اور ساتھ ہی دروازہ میں چار حبشی برہنہ
تلواریں لئے ہوئے داخل ہوتے۔ اور نرائن کے قریب پہنچکر سر تسلیم خم کئے حکم
کا انتظار کرنے لگے۔

نرائن۔ (حقارت سے) اسکے کان نہیں سن سکتے۔ کہ کوئی اس کی پرچھم
پریم لتا سے محبت آمیز باتیں کرے۔ اور آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا کہ میں
اسے الفت کی نظر سے دیکھوں۔ اسلئے اس کے دونوں بیکار کان فوراً تراش دو

ور اس کے بعد اس کی دونوں لا حاصل آنکھیں نکال کر قیصر کے پاس بطور تحفہ بھیج دو۔

دونوں حبشی غلام تعمیل ارشاد کے لئے میری طرف بڑھے۔ لیکن پریم لتا دوڑ کر ان سے قبل مجھ تک پہنچی۔ اور بغیر ایک منٹ کی تاخیر کئے اس نے مجھ سمیت کمرے سے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ہم دروازہ پر پہنچے۔ سنگینوں کی نوکیں ہمارا خیر مقدم کرنے کے لئے وہاں موجود تھیں۔ یعنی دروازے کے باہر پوشیدہ طور سے ادگرد کھڑے ہوئے دو حبشی غلاموں نے سنگینیں ہمارے سینہ پر رکھدیں۔ اور ہمیں مجبوراً واپس ہونا پڑا۔ نرائن نے ہماری بے بسی پر حسب عادت پھر قہقہہ لگایا۔

نرائن۔ پریم لتا عقلمند ہوتے ہوئے انجان نہ بنو۔ یہاں تمہاری تمام تدبیریں بیکار ثابت ہونگی۔ تم نے دیکھ لیا۔ کہ انسان تو درکنار یہاں ہوا کو بھی میرے اشارے پر چلنا پڑتا ہے۔ بغیر میرے حکم یہاں سے رہائی ناممکن ہے۔ کرشن کے متعلق تو فیصلہ سنا دیا گیا۔ اس کے آنکھ کان قیصر کو بطور تحفہ بھجوائے جائیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ تم خود حسن کی ملکہ ہوتے ہوئے ایک بغیر کانوں والے اندھے کی بیوی کہلانا برداشت نہ کرو گی۔ اسلئے اس سے پہلے کہ میرے غلام میرے حکم کی تعمیل کریں۔ تم آکر میری آغوش میں جلوہ افروز ہوجاؤ۔ تاکہ اپنے عبرتناک حشر سے پہلے اس کو یہ معلوم ہوجائے۔ کہ دنیا میں تمہارے حسن کے پجاری اور بھی ہیں۔

زبان کے مانند لٹکے پیر بھی اپنی جگہ پر قایم نہ تھے۔ بلکہ وہ آہستہ آہستہ

پریم لتا کے قریب آ رہا تھا۔ نزدیک پہنچکر اس نے زبردستی اسکو اپنے آغوش میں کھینچنے کی کوشش کی

میں نے مذکورہ سین دیکھکر سنگین لئے ہوئے حبشی غلاموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے برابر رکھی ہوئی چھوٹی سی خوبصورت میز سے پیتل کا نقشین گلدان اٹھاکر پوری قوت سے نرائن کے منہ پر دے مارا۔ جس سے اس کی آنکھ میں کافی ضرب لگی۔ اور ماتھے سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا

وہ بری طرح زخمی ہوکر گرا۔ اور زخم کی تکلیف سے بیتاب ہوکر مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے سے دور کرنے کے احکام صادر کئے۔ تاکہ اطمینان وسکون سے میرے لئے سخت سے سخت سزا سوچی جاسکے۔ چار سنگینوں کے درمیان مجھے دوسرے کمرے میں لیجاکر اور رسی سے جکڑ کر مجکو بے بس کردیا گیا۔ تقریبًا ایک گھنٹہ بعد میری قسمت کا فیصلہ سنانے کے لئے مجھے دوبارہ نرائن کے سامنے پیش کیا گیا۔

لیکن کیا آپ میری حیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟ کہ وہی پریم لتا جو چند منٹ قبل اپنی آن پر جان دینے کے لئے تیار تھی۔ اس وقت نرائن کے قریب ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی سرگوشیاں کررہی تھی اس نے نگاہ اٹھاکر بھی نہیں دیکھا۔ کہ برابر کھڑا ہوا بے بس قیدی کون ہے؟ اُف اس کا یہ رویہ کسقدر حیرت خیز تھا؟

اس پراسرار واقعہ سے میرا دماغ ماؤف ہوگیا۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ پیروں کے نیچے سے زمین نکلی جارہی ہے

آسی دلکشی اور ویسی شان رعنائی کے ساتھ ساتھ اس کی ترنم خیز آواز اب بھی اپنے اندر وہی کشش رکھتی تھی۔ تاہم اسوقت اسکے برتاؤ میں کتنا بڑا فرق تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ مسکین اور ملتجی تھی اور اب مجھکو تباہ کرنے کیلئے نہایت غضبناک اور مغرور بنی ہوئی نرائن سے مصروف گفتگو تھی اسوقت اسکی ہر معمولی ادا اور ادنیٰ سے ادنیٰ فقروں میں رعونت۔ نفرت اور حکومت کی بو پائی جاتی تھی۔ سچ ہے عورت جب چاہے بہت سہولت سے اپنا رویہ تبدیل کر لیتی ہے۔

شاید یہ المناک حادثہ دیکھکر میں بیہوش ہو جاتا لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی ہر امکانی کوشش کی۔ اسوقت بازو کے زخم میں بھی ٹیس معلوم ہوتی تھی۔ لیکن شدت کرب کے باوجود میں اپنی جگہ پر قایم رہا۔ مگر آنکھوں میں اندھیرا چھا جانے کیوجہ سے کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ ہر چیز کا ایک خفیف سا سایہ نظر آرہا تھا۔

یکایک نرائن کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ جو میرے متعلق ہدایات جاری کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اسکے ماتھے پر ایک چوڑی سی باندھ دی گئی تھی جس سے چہرہ کا غالب حصہ اس میں پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اور سفید برف کے مانند پٹی میں سے خون اب بھی جھلک رہا تھا۔ اُس نے جھلا کر حبشیوں کو حکم دیا۔

نرائن۔ کیا مجھے اپنا حکم دوبارہ دوہرانا پڑے گا۔ جاؤ اسے لیجاؤ اور بتائی ہوئی چیزیں قیصر کے پاس بھجوادو۔ تاکہ اسکو معلوم ہو جائے۔ اس کے بتائے ہوئے ہوائی قلعے فرش زمین کر دیئے گئے۔

وہی سابقہ حکم جسکو ایک گھنٹہ قبل میں محض اسلئے ہنسی خوشی سماعت کر چکا تھا۔ کہ میری جان غم نصیب پریم لتا اور تقدیر کے ستائے ہوئے کرشن پر نثار ہو رہی ہے۔ مجھے اسوقت لرزا دینے کے لئے کافی ثابت ہوا۔ جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے پریم لتا کو ایک ان ہونی بات کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسوقت ایک ایسے جرم کا ارتکاب کر رہی تھی جس کی سزا دنیا کے قانون میں موجود نہیں۔ اگر اسوقت میں رسیوں میں جکڑا ہوا نہ ہوتا۔ تو بہت ممکن تھا کہ عورت ہونے کے باوجود وہ خوش گپیاں کرنے کی بجائے اسوقت خاک و خون میں لوٹتی ہوتی۔

اپنے آپ کو مصیبت عظمیٰ سے بچانے کے لئے چاہا۔ کہ ظاہر کر دوں۔ رسیوں میں جکڑا ہوا قیدی کرشن نہیں بلکہ برطانوی علاقہ کا ایک باشندہ سلیم ہے لیکن راز کو بے نقاب کر دینے کی بعد بھی نرائن کو یقین آنا مشکل تھا۔ اسلئے میں خاموش رہا مجھے خاموش دیکھکر پریم لتا نے ہنس کر کہا۔ آپ اسکو قتل کر کے دنیا کو اس کے وجود سے پاک کیوں نہیں کر دیتے قتل کے بعد مطلوبہ چیز یا اس کی لاش سے لیکر قیصر کو بھجوا دیجے گا۔

خوبصورت ناگن کی زبان سے قتل کرا دیئے جانے کا مشورہ سنکر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ میرے عقل و ہوش گم ہو گئے۔ اف جس حسین مکارہ کیخاطر میں اس جال میں پھنسا تھا۔ وہی ساحرہ میری زندگی کو بیکار سمجھکر قتل کرانے پر زور دے رہی تھی۔ میرا تمام جسم بید کانپ اٹھا۔

**پریم لتا**۔ (زور سے قہقہہ لگاکر) بزدل موت کے نام سے کانپتا ہے۔ (نرائن کی طرف متوجہ ہوکر) اسے قتل کئے جانے کا منظر قابل دید ہوگا۔ اسلئے

یری استدعا کو قبول کیجے۔ اور مطلوبہ چیزیں حاصل کرنے سے قبل موت کا جام
بردستی اس کے حلق سے نیچے اترو ادیجیے۔

اس کی لرزہ خیز گفتگو سنکر پہلے کی بہ نسبت میری حالت اور زیادہ متغیر
وگئی، میرا خیال ہے کہ غالباً ظالم نیرو یا نادر شاہ کی روح اسکے جسم میں حلول
رگئی تھی۔

راین۔ (مسکراکر) میرے دل وجاں کی مالک خوبصورت ملکہ۔ تمہارا حکم کبھی نہیں
الا جاسکتا۔ کرشن تو ایک طرف اگر تم اشارہ کرو۔ تو ایسے ہزاروں سر تمہارے
دموں پر نثار کئے جاسکتے ہیں۔ (غلاموں سے) اسکو لیجا کر فوراً قتل کردو اور
پھر چاروں مطلوبہ چیزیں نہایت احتیاط کے ساتھ قیصر کے پاس پہنچادو۔

اب میں نے پھر چاہا۔ کہ راز افشا کردوں۔ لیکن خوف کیوجہ سے زبان جنبش
ی نہ کرسکی۔ آنکھوں میں موت کی بھیانک تصویر پھر رہی تھی۔ اور شمیم کی یاد
ھکو بیقرار کئے دیتی تھی۔ اگر وہ میرے پاس موجود ہوتا۔ تو شاید مجھکو یہ تکالیف
بھی نہ برداشت کرنی پڑتیں

حبشی غلاموں کے درمیان جب مقتل کی جانب میں نے پہلا قدم اٹھایا
و مجھے پریم لتا کی آواز پھر سنائی دی وہ کہہ رہی تھی۔

پریم لتا۔ میں سمجھتی تھی وہ بہادر ہوگا۔ لیکن اسوقت اس کا خوف وہراس
یکھکر میں اپنی غلطی پر سخت پشیمان ہوئی۔ وہ موت سے بزدلوں کے مانند
ر رہا ہے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ صبح سورج کی روشنی میں میرے روبرو اس کا
سر تن سے جدا کیا جائے تاکہ اس کے مرنے سے قبل میں دیکھوں کہ بشرے کے

علاوہ اسکی آنکھوں سے کیسا خوف و ہراس برستا ہے۔
نرائن (مسکرا کر) ننھی سی خوبصورت گڑیا۔ میری محبت کا دم بھرنے کے بعد دنیا میں تیرے لئے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔
اس کے بعد غلاموں کو حکم دیدیا گیا کہ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد میں قتل کے لئے مقتل میں پہنچا دیا جاؤں۔ جہاں پریم لتا میرے قتل کا قابل دید منظر دیکھنے کے لئے موجود ہوگی۔
بازو میں ابھی تک گولی موجود تھی۔ اور شدت کرب مجھے بیقرار کئے دیتی تھی لیکن موت کا دل ہلا دینے والا حکم سب چیزوں پر غالب تھا۔ اور میں اپنے عبرتناک انجام پر غور کر رہا تھا متحرک فلم کی طرح ایک خیال کے ساتھ دوسرا خیال آکر پہلی سوچی ہوئی تجویز پر پانی پھیر دیتا۔ اور یہ نو وارد بھی کسی تیسرے نئے خیال کے آجانے کے بعد خود بھی غائب ہو جاتا تھا۔
قیدخانہ میں قید ہونے کے غالباً ایک گھنٹہ بعد میں نے محسوس کیا۔ کہ کوئی میری طرف آرہا ہے قدموں کی آہٹ کے ساتھ چھما چھم کی آواز بتا رہی تھی۔ کہ وہ کوئی عورت ہے۔
تاریکی کی وجہ سے میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ کہ وہ کون ہے اور اس کا اسوقت یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ تاہم میں نے آہنی سلاخوں میں سے دیکھا۔ کہ آنے والی کے ہاتھ میں ٹمٹماتا ہوا ایک چراغ تھا۔ جس کی روشنی لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھی۔ آخر کار وہ میرے نگراں کے قریب آکر رک گئی۔
ایک عورت کو شب کی تاریکی میں قید خانے کی طرف آتے ہوئے دیکھکر وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک دم رک گیا۔ اور اسنے تحکمانہ آواز میں دریافت کیا۔

(Who Comes There) (کون آتا ہے)

آواز ۔ سرکار کی تابع فرمان ایک نہایت ضروری کام کیوجہ سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے ۔

مذکورہ فقروں کے ساتھ ہی اس نے پولکے میں سے کوئی جگمگاتی ہوئی چیز نکال کر اسکو دکھائی ۔ جسکو دیکھتے ہی سینٹی تک اُس نے اپنے سر کو جھکا دیا ور ہتھیلی پہ رکھی ہوئی چیز کو جو اسوقت چراغ کی روشنی میں آنکھوں کو چکا چوند کر رہی تھی ۔ نہایت ادب سے بوسہ دیا ۔

آنے والی کی ترنم خیز آواز اسی پریم لتا کی تھی ۔ جو نہایت حسین ہونے کے ساتھ ہی بیحد ظالم بھی تھی ۔ اور اسکی ہتھیلی پر نظر کو خیرہ کر دینے والی ایک نہایت خوبصورت طلائی انگوٹھی تھی ۔ جسکو چوکیدار نے نہایت عقیدت کے ساتھ بوسہ دیکر موربانہ الفاظ میں پوچھا ۔

"میرے لئے سرکار نے کیا حکم صادر فرمایا ہے "

پریم لتا ۔ قتل کا نظارہ دیکھنے کے لئے میں صبح تک انتظار نہیں کرسکتی ۔ بلکہ اسکو اسی وقت میدان میں لیجاکر پستول کی گولی سے ہمیشہ کیلئے میٹھی نیند سلانا چاہتی ہوں اسلئے سرکار نے تمہیں دکھانے کے لئے اپنی خاص انگوٹھی اور اسکو جہنم واصل کرنے کے لئے اپنا یہ پستول عنایت فرمایا ہے ۔ ———— اس کو فوراً آزاد کردو ۔ تاکہ میں جلد از جلد اسکی بیقرار روح کو ہمیشہ کیلئے تسکین دیدوں اور تم خود سرکار کے پاس جاؤ ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں ۔

چوکیدار نے سرکاری حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے زنداں کھول دیا ۔ اور

خود تعمیل ارشاد کے لئے نرائن کی طرف روانہ ہوا۔

میں اس تمام کارروائی کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہا تھا مجھے افسوس تھا کہ ظالم خونی اپنے ہاتھ مجھ بیقصور کے خون میں رنگنے کے لئے بیقرار ہے مجبوری کا دوسرا نام صبر و شکر ہے اسلئے میں بھی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر آنے والی ہر مصیبت کے لئے تیار ہو گیا۔

نگراں سے حاصل کی ہوئی کنجیوں کی مدد سے اُس نے آتے ہی مجھے طوق و سلاسل سے آزاد کیا۔ اور مجھ سے بولی۔

مسٹر سلیم ایک منٹ کی تاخیر۔ . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

خوف و ہراس کے باعث میرے جسم کا خون تقریبًا سوکھ چکا تھا بلکہ مجھے تعجب ہے۔ کہ میں اپنی موت کے متعلق ایسے دل ہلا دینے والے احکامات سنکر اب تک کیوں زندہ تھا۔ اسکی دلنشین آواز میرے لئے اسوقت صدائے صور سے کم نہ تھی۔ میں نے اسکے جملہ کو درمیاں میں قطع کر کے اس سے کہا۔

فریبی عورت۔ اگر حقیقتًا تجھے انسان کا خون کرنے میں لطف آتا ہے۔ تو خدارا میرے قتل میں تاخیر نہ کر۔ . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . میری آنکھوں سے تیری خونی صورت اب نہیں دیکھی جاسکتی۔ . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . اُف جلاد . . . . . . . . . . . . . مجھے معلوم نہ تھا کہ تیری دلکش صورت میں کسی ڈائن کا چہرہ اور تیرے سینہ میں ایک ظالم

دل پوشیدہ ہے۔ . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

میں اسوقت لرز رہا تھا۔ اور موت آنکھوں میں رقص کر رہی تھی خوف وہراس بیحد غالب تھا۔ میں کچھ اور بھی کہتا لیکن خوف سے میری زبان لڑکھڑا گئی۔

**پریم لتا**۔ مسٹر سلیم۔ واقعات واقعی بیحد ہولناک ہیں۔ لیکن آپکی ان لن ترانیوں کی بنا پر جو شروع میں آپنے مجھ سے بیان کیں۔ میں آپکو اتنا کمزور تصور نہ کرتی تھی۔ ہندوستان کے مایہ ناز سراغرساں شمیم کے ہمراہ اتنا ڈرپوک آدمی اسکے لئے باعث ندامت ہے ———— آپ ڈر گئے اوہ کوئی پرواہ نہیں . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . اگر نرائن سے بچانے کے لئے اسوقت وہ چال نہ چلی جاتی۔ تو اسوقت تک آپ کے آنکھ اور کان قیصر کے پاس پہنچ چکے ہوتے۔ آپکی آنکھیں نکلوا اور کان کٹوانے کی بجائے آپ کے قتل کا مشورہ دینے اور پھر اسکو حکمت عملی سے صبح تک ملتوی کرا دینے کا مقصد یہی تھا۔ کہ فی الحال اسکے احکامات کو کچھ دیر کے لئے ملتوی کرا کے آپکو آزاد کرنے کی کوشش کروں۔ . . . . . . . .

. . . . . . . . افسوس آپ کے بیان کئے ہوئے ہمدردانہ افسانوں سے میں نے اپنے ذہن میں نہایت شاندار ہوائی قلعہ تعمیر کر رکھا تھا۔ میں سمجھتی تھی۔ کہ آپ مجھ گردش تقدیر کے کچھ کام آ سکیں گے۔ لیکن آپ کی بزدلی نے اس عالیشان خیالی عمارت کو قطعی منہدم کر دیا۔ . . . . . . .

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب آپ کو متفکر نہ ہونا چاہیئے

کیونکہ میں نے اس تھوڑے سے تجربہ کے بعد عہد کر لیا ہے کہ میرا حشر خواہ کچھ ہو کیوں نہو لیکن اپنے زور بازو اور نتائج انکار سے آپ کو دشمن کے چنگل سے نکال دوں گی۔ آفس میں آرام کرسی پر پڑے ہوئے صرف سراغرسانی کے متعلق خیال آرائیاں کرنا آپکے دوست شمیم اور آپ جیسے ڈرپوکوں کے لئے ایک اچھا شغل ہے۔ اور ظالموں کے ظلموں کو سہنے کے باوجود اُف نہ کرنا ہم جیسے مظلوموں کا کام ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آیئے ایک منٹ کی تاخیر کئے بغیر کھڑے ہو جایئے سراغرساں کی سراغرسانی آپنے بہت دیکھی ہے۔ اب ایک عورت کے دماغ سے نکلی ہوئی تدابیر ملاحظہ فرمایئے۔

میں اس کی پرزور مسلسل تقریر سنکر دنگ رہ گیا۔ میں اس کے اسقدر عالی دماغ ہونے پر حیرت زدہ تھا۔ اور اپنے دماغ میں قایم کئے ہوئے حوصلہ شکن خیالات اور اس سے بیان کی ہوئی اپنی بے بسی کی داستان پر شرمندہ تھا کہ اس نے پھر جوشیلے لہجہ میں کہا۔

مسٹر سلیم غور و فکر کا وقت نہیں۔ یقین کیجئے۔ آپ کا بال بیکا نہو گا۔ خواہ اس کوشش میں مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ نذر کرنی پڑے۔ لیکن اسوقت تاخیر نہ کیجئے۔ یہاں سے بھاگا ہوا بیوقوف چوکیدار بے بس زخمی نرائن تک پہنچ چکا ہو گا اور وہ جلاد اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے لئے نقاب پوشوں کو ہماری طرف روانہ

کر چکا ہوگا۔

اس وقت میرے اصرار پر اُسنے صرف اتنا بتایا۔کہ وہ حکمت عملی سے نزائن کو زخمی کرکے منہ پر پٹی باندھ آئی ہے۔اور مجھے زنداں سے آزاد کرانے کے لئے اس نے روانگی سے قبل ایک پستول اور اس کی خاص انگشتری حاصل کرلی تھی۔

نقاب پوشوں کے متعلق مختصراً اس نے صرف اتنا بتایا۔کہ یہ ہماری رعایا کا وہ حصہ ہے۔جو سیم و زر کا غلام ہونے کیوجہ سے کشن پارٹی کی مدد کر رہا ہے۔لیکن ہمارے پچھلے شاہانہ عنایات اور کریمانہ لطف و کرم کی بنا پر بے نقاب ہوکر نہ ہمکو آزار پہنچا سکتا ہے۔اور نہ ہمارے روبرو نزائن کے حکامات کی تعمیل کرسکتا ہے۔کیونکہ کچھ تھوڑی سی شرم و حیا اس میں موجود ضرور ہے۔جسکی وجہ سے وہ بے نقاب ہمارے سامنے نہیں پڑتے۔

وہ متذکرہ بالا واقعات بیان کرتے ہوئے راہ طے کر رہی تھی اور میں اسکی دماغی کاوشوں پر غور کرتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔وہ اس محل کے ہزارہا پر اسرار راستوں اور پوشیدہ چور دروازوں سے واقف تھی۔اسنے یہاں السے ایسے عقل کو حیران کرنیوالی کلیں،مشینیں اور بٹن دکھائے۔جنکو ذرا سا دبا دینے گھما دینے یا باہر کھینچ لینے سے پراسرار راستے پیدا ہوجاتے تھے۔اور بغیر کوئی نشان چھوڑے نجانے کہاں غائب ہوجاتے تھے۔

اسکی رفتار بیحد تیز تھی۔وہ میرے تھک جانے کے باوجود کسی کمرے میں ایک منٹ کیلئے بھی نہیں ٹھیری۔کیونکہ اسکے خیال میں ایسا کرنا ہمارے لئے پیغام موت تھا۔

# پانچواں باب (۵)

## مقابلہ

ہم پیچدار راستوں کو طے کرتے ہوئے ایک بڑے اور خوشنما ہال میں پہنچے اور بہت جلد وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن یکایک قہقہہ کی آواز نے ہم کو چونکا دیا۔ میں نے خوف زدہ ہوکر آواز کی سمت پیچھے دیکھا۔ کہ پہلو کی دیوار کا قدآدم شیشہ سرکا اور اسکی پشت سے ایک شخص سیاہ نقاب ڈالے ہوئے قہقہہ پر قہقہہ لگاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

مجھے اپنی پشت کے پیچھے کرکے پریم لتا حیرت و استعجاب کا مرقع بنی ہوئی خاموش کھڑی ہوگی۔

**نقاب پوش** ۔ آپ لوگ سخت متعجب ہونگے ؟

**پریم لتا** ۔ (متانت کے ساتھ) تعجب کیسا ؟

**نقاب پوش** ۔ (قہقہہ لگاکر) نہیں ؟

**پریم لتا** ۔ (تیور بدلکر) ہرگز نہیں۔

**نقاب پوش** ۔ آپ کو تو خواب میں بھی خیال نہوگا۔ کہ یہاں اسوقت آپ کی راہ میں کوئی حائل ہوگا۔ محترم سردار کو زخمی اور چوکیدار کو جکڑ دینے کے بعد آپکو یقین واثق ہوگیا ہوگا۔ کہ بس تاج و تخت آپ دونوں کیلئے وقف ہے۔

پریم لتا ضبط نہ کر سکی۔ غصہ سے اسکی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اسنے نقاب پوش کو خوفناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

نمک حرام ذلیل انسان! حد سے تجاوز نہ کر۔ اگر تیرے منہ سے اب کوئی خلاف شان لفظ نکلا۔ تو یاد رکھ میرا یہ پستول چشم زدنمیں تجھو جہنم واصل کر ہاتھ میں لیا ہوا پستول اسکی جانب کر کے پریم لتا نہایت استقلال سے اس طرف دیکھنے لگی۔

پریم لتا کا پستول دیکھکر اسنے اپنا پستول نکالنے کیلئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

پریم لتا۔ (تحکمانہ لہجہ میں) اپستول نکالنے کی تکلیف مت کرو۔ ورنہ جان بچانے کی یہ کوشش خود تمہاری جان لیوا ثابت ہوگی۔

نقاب پوش۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں۔ آپ کا خیال غلط ہے میں صرف سگریٹ تلاش کر رہا تھا۔

پستول کی نالی اپنی جانب دیکھکر اسکے متلاشی ہاتھ جیب کے اندر ہی کپکپا گئے۔ چہرہ پر نقاب پڑی ہونے کے باوجود میرا خیال ہے۔ کہ ہو قت اسکے چہرہ پر پریشانی کی جھلک نمایاں ہوگی۔

پریم لتا۔ ایک قیدی کو سگرٹ پینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ہاتھ باہر نکالو۔ اگر تمہاری جیب سے ہاتھوں کے ساتھ کوئی دوسری چیز نکلی۔ تو یاد رکھو۔ میری انگلی کا ایک خفیف اشارہ لبلبی دبا دیگا۔ اور گولی تمہارے سینہ کو توڑتی ہوئی پار ہو جائیگی۔

اس نے جیب سے خالی ہاتھ باہر نکال لئے۔ اور اپنے آپ کو ذرا سنبھالکر

بولا۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ بچپن میں چاند ماری کی تم نے کافی مشق کی ہے۔ اس ہی نے تم اس پر نازاں ہو۔ لیکن اگر بہادر ہو تو آؤ دونوں تلواریں سونت لیں۔ اور پھر میں تمہیں بتاؤں کہ مقابلہ کی لڑائی میں مجھ پر فتحیاب ہونا ......

..................

سو آخر الذکر فقرے پر میں سمجھ گیا۔ کہ وہ چالبازی سے اس سنہری موقعہ کو ضائع کرا دینا چاہتا ہے۔ کہ شاید یہ عورت بیوقوفی سے مغرور ہو کر پستول پھینک دے۔ لیکن میں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس کی بات کو درمیان میں منقطع کر کے اسکو ڈانٹا۔

نابکار۔ جب دوسروں کو اسیر کرنے کی بجائے خود ہی مقید ہو گیا۔ تو پستول ہٹوانے کے لئے مکر و فریب سے کام لے رہا ہے۔ لیکن تیرا یہ مکر......

..................

...... میرا جملہ ابھی پورا نہوا تھا۔ کہ فرش زمین پر چونکا دینے والی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ پریم لتا نے میرے بروقت جتا دینے کے باوجود اپنا پستول لاپرواہی سے کمرے کے ایک گوشہ میں پھینک دیا تھا۔

**میں** ۔ (گھبرا کر) آپ کا یہ بعید از عقل فعل......

..................

ابھی میرا جملہ ناتمام ہی تھا۔ کہ نقاب پوش نے قہقہہ لگا کر مجھ سے کہا۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ پریم لتا نے ہار مان لی۔ وہ اب نہیں لڑیگی اور...

پریم لتا۔ (متانت سے) نہیں تم مطمئن رہو۔ میں ضرور لڑونگی۔

نقاب پوش۔ تلوار سے؟

پریم لتا۔ بیشک تم اطمینان رکھو۔ میں خود نہیں چاہتی کہ قتل کرنے سے قبل تمہاری آخری وصیت کو ٹھکراؤں اسلئے تمکو تمہاری خواہش کے مطابق تمہاری تلوار ہی سے جہنم واصل کیا جائیگا۔

نقاب پوش کو اپنی شمشیر زنی پر ناز تھا۔ وہ اس علاقہ کے ان چند سیف زنوں میں سے ایک تھا۔ جنپر وہاں کے باشندہ ناز کرتے تھے۔ وہ اپنے دل میں خوش تھا۔ کہ اسنے کم عقل عورت کو دھوکہ دیکر ملک الموت کے منہ سے رہائی حاصل کی۔ اور آخر کار حریف کو تلوار کی لڑائی پر امادہ کرلیا جس میں سو فیصدی اسکو اپنے فتحیاب ہونے کی امید تھی۔ پریم لتا کو تلوار کی لڑائی پر آمادہ پاکر اسنے نہایت فخر سے کہا۔

نقاب پوش۔ گیدڑ کی موت کے دن جب قریب آتے ہیں۔ تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔

پریم لتا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے جب چاند نکلے گا۔ کل عالم دیکھ لے گا بھی تمکو صرف چاندماری کا علم تھا۔ اور تم اسی پر لرزاں تھے۔ لیکن شاید تم اس سے بے خبر ہو کہ میں نے چاندماری کے ساتھ ہر فن سپہگری میں کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کی ہے۔

نقاب پوش۔ ہونہہ۔ معلوم ہے۔ لیکن آج معلوم ہو جائیگا کہ اس وقت

ملک الموت سے سابقہ پڑا ہے۔

**پریم لتا**۔ کیا مضائقہ ہے۔

یہ کہکر وہ اس طرف چلی۔ جہاں دیوار پر چند اسلحہ کے ساتھ چار پانچ تلواریں نہایت خوبصورتی کے ساتھ آویزاں تھیں دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے پریم لتا سے قبل جھپٹ کر تلوار لیلی۔ اور فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا۔ پریم لتا نے پینترا بدل کر وار خالی دیا۔ اور اس اثنا میں وہ بھی تلوار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

**پریم لتا**۔ بہادری کا راگ الاپنے کے باوجود مکر و فریب سے کام لینے والے دغاباز۔ مجھے غافل سمجھکر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کر۔ کیونکہ میرا دل گواہی دے رہا ہے۔ کہ تو کوئی بھی ہو۔ بہر حال میرے ہاتھ سے یہاں آج ذلیل ہو گا۔

**نقاب پوش**۔ اس حملہ کے معنی یہ نہیں۔ کہ میں تمہیں قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا بلکہ ..............

**پریم لتا**۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ بطور یادگار صرف میری دو چار رگیں کاٹ دی جائیں۔

**نقاب پوش**۔ ہاں میں صرف یہ چاہتا تھا۔ کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح ذلیل کر دیا جائے۔

**پریم لتا**۔ عزت و ذلت دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ پستول پھنکوا دینے کے بعد جب تم

خود بہادری سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ تو مکروفریب سے کام نہ لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ کوشش کی

جائیگی۔ کہ حتی الامکان جلد سے جلد تمہارا قصہ پاک کردیا جائے۔

دونوں حریف تلواریں تول کر کھڑے ہوگئے۔ اول نقاب پوش نے

وار پر وار کرنے شروع کئے۔ لیکن پریم لتا نہایت پھرتی سے انکو خالی دیتی

رہی۔ چندہی منٹ کی ردوبدل میں مجھکو ——————

—————— اور میں سمجھتا ہوں کہ خود نقاب پوش کو بھی

تجربہ ہوگیا۔ کہ پریم لتا فن شمشیر زنی میں طاق ہے۔

**پریم لتا۔** (تلوار بلند کرکے اور نقاب پوش کی طرف جھپٹ کر) اب موت

کی آغوش میں سونے کے لئے تیار ہو۔

**نقاب پوش۔** ذرا ٹھیرو۔

**پریم لتا۔** (تلوار روک کر) کیا آخری وصیت کرنا چاہتے ہو؟

**نقاب پوش۔** نہیں بلکہ تمہاری آخری خواہش معلوم کرنی چاہتا ہوں

**پریم لتا۔** آپکی مہربانی کا شکریہ۔ لیکن میں خودکشی نہیں کررہی۔

**نقاب پوش۔** مگر شمشیر زنی میں مجھ پر فتحیاب ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ

ناممکن ہے۔

نقاب پوش کو مستعد پاکر پریم لتا نے تلوار۔ تولی۔ اور پینترا بدلنا

شروع کیا۔ تھوڑی دیر تک نقاب پوش نازک اندام پریم لتا پہ وار کرتا رہا

اور ہر وار میں حریف کو زبردست پاکر منہ کی کھاتا رہا۔ اب لڑائی نے خوفناک

صورت اختیار کرلی۔ تلواروں کی جھنکار کے علاوہ کچھ اور نہ سنائی دیتا تھا نقاب پوش بار بار حملہ آور ہوئے اور ہر دفعہ خجالت کے ساتھ پسپا ہونے سے غضب ناک ہوگیا۔ لیکن پریم لتا نہایت استقلال اور متانت سے کھڑی رہی۔ اور دشمن کے حملوں کا جواب دیکر اپنی سیف زنی اور فوقیت کا ثبوت دیتی رہی۔

پریم کی بہادری اور مستعدی سے نقاب پوش ڈر گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پریم کہیں مجھ پر غالب نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اسکا دم بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ اور وہ پسینہ پسینہ ہوکر ہانپ رہا تھا۔ اپنے آپ کو شکست پاتے ہوئے دیکھکر بالآخر اسنے تلوار پھینک دی۔

**نقاب پوش**۔ (خجالت سے کپڑوں کو درست کرتے ہوئے) میں ایک عورت کے خون میں اپنی تلوار کو رنگنا پسند نہیں کرتا۔

**پریم لتا**۔ یا ایک عورت کی تلوار سے مارا جانا اپنے لئے باعث توہین سمجھتے ہو۔

**نقاب پوش**۔ جور شمائیں نازنین۔ عرصہ سے تمہاری مستی بھری آنکھ کا والہ وشیدا ہوں۔ جی نہیں چاہتا۔ کہ تمہارے نازک جسم پر میرے فولادی ہاتھ سے کوئی خراش پہنچے۔ اسوجہ سے . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . میرا اور پریم لتا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ جو آخر کار نقاب پوش کے مذکورہ فقروں پر چھلک گیا۔ میں نے اسکو دندان شکن جواب دینے کے لئے اپنے ہونٹ ولے کئے ہی تھے۔ کہ پریم لتا نے آگے بڑھکر نہایت جرأت سے

ساتھ تلوار کی نوک سے اس کی نقاب کو نوچ ڈالا۔

میری حیرت کے ساتھ ہی پریم کی چیخ فضا میں گونج گئی وہ میرا ہمشکل کنور تھا۔ جو اپنی بھاوج کو قتل کرنے کی کوشش میں خود ذلیل ہو کر اب اس سے اظہار عشق کر رہا تھا۔

بے نقاب ہو کر وہ میری وجہ سے رجبکو غلطی سے وہ اپنا بھائی تصور کر رہا تھا، شرمندہ ہو کر پانی پانی ہو گیا۔

پریم لتا۔ بدکردار کتے اپنی شکست کی شرمندگی کو بوالہوسی کے تاریک پردہ میں پوشیدہ نہ کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ افسوس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شرم شرم

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہاراج بلونت سنگھ کی پیشانی کے سیاہ داغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر پران ناتھ کی خاطر منظور نہ ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو تو اسوقت ناک وخون میں لوٹ رہا ہوتا۔ (مجھ سے) پران ناتھ آپکو اس سے بجا طور پر ناراض ہونا چاہیے انگلینڈ کی تہدید کے بعد بھی یہ کمینہ اپنی بری خصلتوں سے تائب نہیں ہوا۔ لیکن اس بار وہ میں اسکو پھر معاف کرتی ہوں۔ اگر آئندہ اس نے کسی کی عصمت پر حملہ کیا۔ تو میرے پستول کی پہلی گولی یا تلوار کا ایک ہاتھ اس کے سینہ کو توڑ دیگا۔ اپنی داسی کے مانند آپ بھی اسکو معاف کر دیجئے۔ البتہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ٹوٹا ہوا اسکو حاصل کرنے کے لیئے ۔ ۔ ۔ کی بنا شمع ۔ ۔ ۔

میں - پریم لتا۔ تمہارے اصرار کے باعث سب باپ پیش کر رہا ہوں لیکن
اب اس پاپی کو میرا بھائی نہ کہو۔

اسکی تلاشی لینے پر واسکٹ کی جیب سے صرف ایک ٹکڑا دستیاب ہوا جو
نے پریم کو دیدیا۔ اور خود پیچھے ہٹکر برابر پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجھے بالکل غافل اور پریم کو سکہ میں غرق دیکھکر کشن اسپر جھپٹا۔ لیکن پریم
نے نہایت ہوشیاری اور چابک دستی سے وہ سکہ میری طرف پھینکدیا۔
کشن نے اپنی کوشش میں ناکام ہوکر امداد حاصل کرنے کے لئے تالی بجائی۔ میں
سکے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد چاہتا تھا کہ اسے جیب میں رکھ لوں لیکن
اتنا میں کشن کی تالی کی آواز سنکر دس پندرہ نقاب پوش امداد کے لئے
کمرے میں آگئے۔ گھبراہٹ کی وجہ سے وہ طلائی سکہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش
پر بچھے ہوئے نفیس قالین پر گر پڑا نقاب پوش قریب پہنچ چکے تھے۔ لیکن
اسے گرتے ہوئے کسی نے دیکھا نہ تھا۔ اسلئے جھککر اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ
سب کی نظریں بچاکر میں نے برابر رکھی ہوئی ہلکی میز کو انگلی کے اشارے سے
ذرا سا اونچا کیا۔ اور پاؤں کی ٹھوکر سے طلائی سکہ کو پائے کے عین نیچے کردیا۔

# چھٹا باب (۶)

## نئی افتاد

مجھے اور پریم کو گرفتار کر لیا گیا کشن نے طلائی سکہ مجھ سے مانگا تمام کپڑوں میں تلاش کیا۔ پھر بھی نہ نکلا۔ تو تمام کمرے کو چھان مارا۔ لیکن گم شدہ چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ کیونکہ میز بدستور اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اور طلائی سکہ سب کی نظروں سے پوشیدہ پائے کے نیچے موجود تھا۔

کشن ناکامی پر جھلا کر غضب ناک ہو گیا۔ اور آخر کار نقاب پوشوں کے جھرمٹ میں ہم کو جب دوبارہ جلاد نرائن کے پاس پہنچایا گیا۔ تو صبح ہو چکی تھی زخمی نرائن کرسی پر بیٹھا تھا۔ میرے پھینکے ہوئے گلدان کے زخم کے علاوہ پریم کی لگائی ہوئی ضرب کی وجہ سے ہاتھ اور ماتھا بندھا ہوا تھا وہ ہمیں دیکھتے ہی غضبناک ہو گیا۔ اور ہمارے لئے شدید سے شدید سزا تجویز کر کے ہم دونوں کے قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔ دوبارہ موت کا حکم سنتے ہی میری آنکھوں میں رات سماں بندھ گیا۔ وہی خوف وہراس اور وہی کپکپی مجھ پر طاری تھی۔ مگر حق پوچھو ہو گی۔ اگر میں پریم کی بہادری اور بے نظیر استقلال کو نظر انداز کر دوں تو میری حالت غیر ہونے کے باوجود وہ نہایت مستقل مزاجی سے کھڑی ہوئی پیغام اجل سن رہی تھی۔ ایسے وقت جبکہ ظالم وجفاکار نرائن کی ہیبتناک صورت ہی دیکھ

میرے [illegible] اوسان خطا ہو رہے تھے۔ کیونکہ انتہائی غیض و غضب کی حالت [illegible]
اسکے منہ سے کف جاری تھے۔

کرشن۔ گو مفرور ملزم دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن انہوں نے ٹوٹے [illegible]
[illegible] کہیں چھپا لیا ہو۔ جو ابھی ابھی انہوں نے زبردستی مجھ سے چھین لیا [illegible]
نرائن کرشن کی اس ناقابل تلافی غلطی پر چلا اٹھا۔ وہ کہتا تھا کہ آخر
ان لوگوں کو اس ٹکڑے کے دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جبکہ دوسرے
ٹکڑے کی میں نے اسقدر حفاظت کی ہے۔ کہ ابتک کوئی اس کی جھلک
بھی نہ دیکھ سکا۔

ہم دونوں کی دوبارہ تلاشی کے [illegible] جب ٹکڑا دستیاب نہوا [illegible]
نرائن نے انتہائی غیض و غضب کا اظہار کرتے ہوئے [illegible] کہا۔

نرائن۔ کرشن ابتک میں تمہاری [illegible] احترام کا [illegible] لیکن
اگر اسوقت مجھے ٹکڑا واپس نہیں کیا گیا تو تمہارا [illegible] ذلیل کے [illegible]
نہایت عبرتناک طریقہ سے ملک موت کے گھاٹ اتار دونگا۔

میں۔ میں آپ کی سابقہ عنایات کا بیحد شکر گذار [illegible] جو گذشتہ شب
آپ نے مجھ پر روا رکھیں۔ لیکن آپ کے [illegible] کرم [illegible] تعمیر [illegible]
دوسرا رخ بھی دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ نوازشات سے نوازنے کے بعد [illegible]
اگر تذلیل سے بھی محروم نہ رکھا جائے تو ممنون ہونگا۔ عزیز و اقربا میں سے [illegible]
بزرگوار کو آپ حضرات کی سازش نے ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سلا دیا۔ ان کے
علاوہ اطاعت گذار بیوی اور ظالم و جفا کار بھائی یہاں موجود ہیں [illegible] ٹکڑہ کی

واپسی کا خیال قطعی ترک کر دیجئے۔

نرائن میرا کو یہ جواب سنکر اچھل پڑا۔ اسکی صورت سے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے مصلحت وقت کی بنا پر تمام نقاب پوشوں کو کمرے سے باہر ہی نہیں بلکہ محل سے باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ اور انکی روانگی کے بعد خود اس کے حکم سے کشن نے ہمکو علیحدہ علیحدہ دو ستونوں سے جکڑ دیا۔ جبکہ نرائن پستول لیئے ہوئے ہمارے سروں پر موجود تھا۔ کہ اگر ذرا بھی جنبش کیجائے۔ تو وہ ہمکو موت کی آغوش میں سلادے۔ اس دوران میں پریم لتا نے آنکھوں کے اشارے سے —————— وہ اشارے

جو زبان کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے اپنا مفہوم ادا کر دیتے ہیں مجھ سے پوچھا۔ سکہ کہاں ہیں۔

کیونکہ وہ بھی ان لوگوں کی طرح سخت متعجب تھی۔ کہ ٹکڑے کو زمین نگل گئی۔ یا آسمان کھا گیا۔ میرے اشارے سے وہ مطمئن ہو گئی کہ ٹکڑہ وہیں کہیں محفوظ ہے۔

نرائن۔ کشن ان دونوں بیوقوف گدھوں سے آخری مرتبہ پھر دریافت کر لو۔ اور اگر اب بھی نفی میں جواب دیں۔ تو مجھے اپنے برابر پڑا ہوا چرمی چابک اٹھا دو۔ میں انکو کتے کی موت مارنے سے قبل ایسی شدید سزا دینی چاہتا ہوں۔ کہ زمین و آسمان کانپ اٹھیں۔

میں اپنے ظلم و ستم کو انتہا تک پہنچا دے۔ لیکن یاد رکھ کہ تیری یہ آرزو

قیامت تک پوری نہ ہوسکے گی۔

غصہ میں بھرا ہوا نرتن چرمی ہنٹر لیکر میری طرف بڑھا۔ تاکہ دندان شکن جواب کا بدلہ لینے کے لئے وہ میری کھال جسم سے علیحدہ کردے۔ لیکن پریم نے نہایت دلیری سے میرے سر پر آئی ہوئی مصیبت کو اپنے سر لے لیا۔ کیونکہ وہ زندان میں مجھ سے وعدہ کرچکی تھی۔ کہ آئندہ وہ ہر آنے والی مشکل کا خود مردانہ وار مقابلہ کریگی۔ اور مجھ پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دے گی حقیقتاً اسنے نہایت بہادری سے اپنا وعدہ ایفا کیا۔ اسنے کہا:۔

"خونی درندے شکست خوردہ کرشن سے خلاف حکم میں نے حاصل کیا تھا۔ اور میں ہی واقف ہوں۔ کہ وہ کہاں ہے؟ جس طرح تو بے خبر ہے اسی طرح کرشن بھی اس سے لاعلم ہے

تو اور تیرا ہنٹر قیامت تک ہمارا کی نقاب کشائی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ہم اذیت سے سسک سسک کر مرجانا منظور کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ کہ بزدلوں کے مانند تجھکو اپنے راز سے آگاہ کردیں"

سخت مصیبت میں مبتلا ہونے کے باوجود اسکی ترنم خیز آواز روح پرور تھی۔ رات بھر کی سخت جدوجہد کے بعد اسکی کالی کالی لمبی زلفیں اسکے بلوریں شانوں پر پریشان پڑی تھیں۔ اور لمبی لمبی سیاہ پلکوں کے نیچے اس کی مستانہ آنکھیں ایک پر کیف لذت پیدا کررہی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ آنکھوں میں شراب ارغوانی کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔

لیکن آہ جب میں اس کے نازک جسم پر ان نشانوں کو دیکھتا۔ جو ہنٹ

مضبوط اور موٹی رسی سے اس کے جسم پر اوپر سے نیچے تک پڑ گئے تھے تو بہت متاثر ہوتا۔ حالانکہ میں خود اسی مصیبت میں مبتلا تھا۔ لیکن اسوقت مجھے خود اپنی پرواہ نہ تھی بلکہ میں نے اس سوزش کی جو رسیوں کے جکڑنے کے باعث خود میرے تمام جسم میں شدید تکلیف پیدا کر رہی تھی کوئی پرواہ نہ کی۔ البتہ یہ خیال کہ اس کے نازک جسم کو میرے سے زیادہ تکلیف پہنچ رہی ہوگی۔ میری توجہ کو اپنی طرف منعطف کر رہا تھا۔

میں پہلے بھی بارہا دیکھ چکا تھا۔ اور اب بھی تجربہ ہوا۔ کہ وہ ہمیشہ مستقل مزاج رہی۔ اور اب بھی انتہائی تکلیف کے باوجود وہ نہایت بہادری سے بول رہی تھی۔ محض اسلئے کہ بے قصور سلیم کو بچا کر گھوڑوں کے مارنے والے ہنٹر سے خود اپنے جسم کی کھال اڑوا دے۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ نرائن نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ اور بھیڑئیے کی طرح غرا کر وہ بیکس و مظلوم پریم لتا پر برس پڑا۔ گھوڑوں پر استعمال کرنے کا چرمی ہنٹر انتہائی طاقت سے اس نازک اندام حسینہ پر پڑ رہا تھا کہ وہ اپنے راز کو بے نقاب کر دے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے لب لعلیں کو سی لیا ہے۔

اس کا بیش قیمت لباس دو چار چابک پڑتے ہی تار تار ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کے نازک جسم سے خون بہنے لگا ہونٹوں پہ پپڑیاں جم گئیں چہرہ زرد پڑ گیا۔ اور آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔

یہ وہ دلخراش اور کلیجہ چھلنی کرنے والا منظر تھا۔ کہ سنگدل سے سنگدل

انسان خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہے لیکن ظالم وجفاکار نرائن نہایت بے دردی سے اپنی ظالمانہ کارروائی کو انجام دیتا رہا۔

نازوں کی پلی ہوئی پریم کے زخمی چہرہ اور زخمی برہنہ جسم سے خون بہہ بہہ کر فرش زمین پر ٹپک رہا تھا۔ اس کے جکڑے ہوئے بازوؤں میں نیل پڑ گئے تھے۔ اور زخموں کی سوزش اسکو بیقرار کئے دیتی تھی۔

مجھ سے ظالم کا ظلم اور مظلوم کی بیکسی کا یہ دل ہلا دینے والا منظر نہ دیکھا گیا۔ بالآخر مجبور ہو کر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسوقت میں آہستہ آہستہ بارگاہ ایزدی میں اس کے لئے دست بدعا تھا۔ اور غالباً کوئی ایسی دعا نہ ہوگی۔ جو مجھے یاد ہو۔ اور میں نے اسکو اس دردناک وقت نہ پڑھا ہو۔

اس کی آہ و بکا سے متاثر ہو کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل رہے تھے۔ میں نے ان ہی اشک بھری آنکھوں کے ساتھ ایک مایوسانہ انداز سے اپنے مصنوعی برادر عزیز کشن اور دغاباز نرائن کی طرف دیکھا۔ لیکن دونوں جفاکار ہماری بے کسی پر زیر لب مسکرا دیئے۔

زخمی پریم نے جو شیرنی کی طرح بہادر تھی اپنی نرگسی آنکھوں سے آنسو روک کر اور زبان کو جو معمولی ضرب کے باوجود سخت اذیت کی بنا پر سوکھ گئی تھی۔ لعاب دہن میں تر کر کے نہایت خفیف آواز میں جو بمشکل ہمارے کانوں تک پہنچی۔ کشن سے خطاب کر کے کہا۔

کشن یاد رکھ تو اپنے دامن پر نہ مٹنے والے داغ لگا رہا ہے ۔۔۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . .

........ گو تمام جفا کاریوں کا روح رواں نرائن ہی کیوں نہو
.......................... لیکن اس کا

جواب دہ تو ہے ....................
.... کیونکہ یہ ظلم وستم تیرے نام پر توڑا جارہا ہے .......
........... تھوڑی دیر کے لئے میں اپنی تکلیف

کو نظر انداز بھی کر دوں ......................
....... تو کم از کم اپنے بھائی کی زبون اور قابل رحم حالت پر غور کر ...

.............................

جس کی رگوں میں تیری مانند مہاراج بلونت سنگھ کا خون دوڑ رہا ہے
حقیقتاً وہ بالکل بے قصور

ہے ................. اور اپنے جائز حق سے دست بردار
ہونے کے لئے ہر وقت آمادہ ہے۔ لیکن ..............
................ میری کوششوں ..........

........... اور مشوروں ..... .. ........ سے وہ
ابتک اپنے ارادے سے باز رکھا گیا ہے ................
........ اسلئے تو صرف مجھکو مجرم کہہ سکتا ہے ....

...................... اپنے لئے میں
نہ اب شکوہ کر رہی ہوں۔ اور نہ آیندہ شکایت کرونگی .......
........... البتہ کرشن کو آزاد

کردو جس نے تمہارا کوئی گناہ نہیں کیا ........

........ اُف بیقصور ہونے کے باوجود اسے

اسقدر تکالیف دی جارہی ہیں۔ کہ مجھے اس کے غم میں ........

........ دنیا کا ہر ذرہ اشکبار نظر

آتا ہے ........ اُف اس کے جسم میں

رسیاں گڑ گئی ہیں جن سے نیل پڑ گئے ہونگے ........

........

کیا مہاراج بلونت سنگھ اپنے نور نظر کو اس حالت میں دیکھ سکتے ہیں ...

........ آہ سوگ میں انکی

روح بیقرار ہوگی ........ کشن ڈر ....

........ ڈر ........

اس حاکم الحاکمین سے جس کے روبرو ........

........ دنیا کا ہر متنفس اپنے افعال کا جوابدہ ہے۔

میں اس کی بہادرانہ تقریر سنکر پھر انگشت بدنداں رہ گیا۔ کہ سخت اذیت کے باوجود وہ جیلخانہ میں کئے ہوئے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی ہر امکانی کوشش کررہی ہے۔ میرے کانوں میں دوبارہ اس کے وہی الفاظ گونجنے لگے جو زنداں میں اسنے میرے گوش گذار کئے تھے۔ کہ۔

میں سمجھتی تھی۔ کہ آپ مجھ گردش تقدیر کے کام آسکیں گے
لیکن آپ کی بزدلی نے اس عالیشان خیالی عمارت کو قطعی

منہدم کر دیا ———— میں نے عہد کر لیا ہے کہ خواہ میرا سر کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اپنے زور بازو اور نتائج افکار سے آپ کو دشمن کے چنگل سے ضرور بچا دوں گی۔

حقیقتاً اس نے اپنے وعدہ کو لفظ بہ لفظ پورا کیا۔ اور مجھے ایک ایسے وقت بچایا۔ جبکہ دشمن گھوڑے کا ہنٹر میرے جسم پر توڑنے اور مجھے انتہائی شدید تکلیف دینے کے ارادے سے میری طرف آ رہا تھا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ اپنے وعدہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اس نے مجھے آفت سے بچا کر خود اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیدیا۔ اور ایک ایسی حالت میں جبکہ اس کے جسم کے نیلوں میں سوزش ہو رہی تھی۔ زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ زبان لفظ ادا کرنے سے قاصر تھی۔ چہرہ مرجھا گیا تھا۔ اور سخت گرفت کے باعث بالکل بے دست و پا تھی۔ مجھے کہ صرف ستون سے جکڑا ہوا تھا۔ میری اذیت کو ناقابل برداشت تصور کرتے ہوئے دشمن سے میرے لئے سفارش کی۔ مجھے بے قصور بتایا۔ اور کرشن کے نام کی آڑ میں کشن کے دل میں رحم پیدا کرنے کی ہر امکانی کوشش۔ اور آخر کار اس کو موم کرنے کے لئے مہاراج بلونت سنگھ کی بیقرار روح کے تذکرے کے علاوہ خدا کے غیض و غضب سے بھی آگاہ کیا۔ اس برجستہ تقریر اپنا کام کئے بغیر نہ رہی۔ وہ متاثر ضرور ہوئے۔ لیکن تاج و تخت کے خواب نے انہیں پھر مدہوش کر دیا۔

نرائین ۔ مکار لونڈی۔ تیری چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آ سکتا ہوں!

نرائن خائف ہو سکتا ہے۔ بیوقوف! خدا کے خوف سے ڈرا رہی ہے۔ وہ وقت آئیگا۔ تو دیکھا جائیگا۔ طلائی سکہ واپس دیدے۔ جو ڈاکوؤں کی طرح زبردستی تو نے چھین لیا ہے۔ ورنہ یاد رکھ اس سے بھی زیادہ اذیت دیکر تیری جان نکالی جائے گی ———— اکشن سے، اپنی امداد کے لئے باہر سے ایک نقاب پوش بلالو۔ تاکہ میں اپنے ذہن میں آئے ہوئے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تم دونوں سے مدد لے سکوں۔

دو ہی منٹ کے قلیل عرصہ میں ایک نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا سیاہ نقاب کے علاوہ وہ اوپر سے نیچے تک سیاہ لباس ہی میں ملبوس تھا۔ لیکن اس کی پیٹھ پر ایک گندمی رنگ کا کاغذ چپکا ہوا دیکھکر میں ایسے دردناک واقعات اور عبرت انگیز منظر کو دیکھنے کے باوجود اپنی مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔ میں فوراً تاڑ گیا۔ کہ یہ شمیم کی جدت ہے۔ اور اس سے اس کا منشا یہ ہے۔ کہ ہم باخبر ہوجائیں۔ کہ وہ ہمارے نزدیک ہے۔ اور آیندہ ہمیں مرعوب نہ ہونا چاہیے۔

نقاب پوش نرائن کے نزدیک پہنچکر سر کو کافی سے زیادہ جھکا کر تسلیم بجالایا۔ اس وقت اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں نے کاغذ کو بغور دیکھا وہ کاغذ کی تھیلی کا پھٹا ہوا ایک گندمی کاغذ تھا جو اکثر دوکاندار استعمال کرتے ہیں۔ اسپر حسب ذیل عبارت درج تھی۔

میں دہلی کی اس شہرہ آفاق دوکان کے مالک حاجی حافظ عبدالحکیم صاحب سے بخوبی واقف تھا جن کے ہاں مذکورہ جوتیوں کے علاوہ ہر قسم کے بہترین انگریزی جوتے بھی فروخت ہوتے ہیں اسکے علاوہ مجھے معلوم تھا۔ کہ میری جاگیر والی واردات پر روانہ ہونے سے قبل شمیم نے مذکورہ بالا دوکان سے کچھ سامان خریدا تھا۔

بہرحال مجھے یقین ہوگیا۔ کہ ہمیں مطلع کرنے کیلئے اس نے اس کاغذ کو استقدر احتیاط سے اس بدھو کی پیٹھ پر چسپاں کر دیا۔ کہ اسے مطلق خبر نہو سکی تھی! نہ آواز سے میں چونکا۔ وہ نقاب پوش کو کمرہ گرم کرنے کی انگیٹھی پر تلوا۔ کو تپانے کا حکم دے رہا تھا۔

اسنے اپنی ہاتھ سے چرمی ہنٹر جو بالکل شکستہ ہوگیا تھا۔ پھینک دیا اور نقاب پوش نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے انگیٹھی پر تلوار گرم کرنے کے لئے رکھدی تھا اپنی ۔ رنہایت حقارت سے، وحشی لڑکی جان عزیز ہے تو وہ طلائی سکے حوالے کردے ۔ جو تم دونوں چوروں نے ملکر چرالیا ہے ۔ ورنہ تلوار کی گرم نوک تیرے جسم پر متعدد نشانات بنائے جائیں گے تاکہ تیری زبان سے مجبوراً تیرا راز ظاہر ہو جائے ۔

**پریم لتا** ۔ وحشی درندے چور وہ ہے جس نے پارلیمنٹ پر رعب جماکر اور قیصر کو دھوکہ دیکر سکوں کی چوری کی ۔ اگر تو دونوں سکے پبلک کے حوالے کرنے کا وعدہ کرے تو ہم اپنا حاصل شدہ سکہ واپس دینے کے لئے تیار ہیں تاکہ پبلک حسب مرضی اپنا تاجدار منتخب کرلے ۔ ورنہ جس طرح چرمی ہنٹر سے لاتعداد زخم پڑ جانے کے باوجود میں خاموش رہی ہوں ۔ اسی طرح مرتے دم تک ثابت قدم رہونگی ۔ خواہ مرنے سے قبل مجھے کتنی ہی شدید تکالیف کیوں نہ دی جائیں ۔

تلوار کا ٹی گرم ہونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھی ۔ لیکن نرائن نے اس کے باوجود کبابی کے مانند جو نیم سوختہ کبابوں کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے ۔ گرم تلوار کو رخ پلٹ کر دوبارہ کوئیلوں پر رکھدیا ۔

میری گھبراہٹ لحظہ بلحظہ بڑھ رہی تھی کیونکہ ابھی تک شمیم [illegible] اس خیال سے کہ یہ ظالم ایک سیکنڈ بعد بے بس [illegible] کے جسم پر [illegible] میرا دل بے قابو ہوگیا آنکھوں سے آنسوؤں [illegible] لگ گئی ۔ مگر وہ بہادر

ورت حسب دستور نہایت استقلال سے واقعات کا مشاہدہ کر رہی
یا مجال جو موجودہ دل ہلا دینے والے منظر کے باوجود اس کے منہ سے
کلتی یا آنکھ سے کوئی آنسو بہتا۔

نراین نے اپنے پہلے خیال کو غلط سمجھکر یا موجودہ مصلحت کو مد نظ
رکھکر حبشی غلام کو پھر واپس کر دیا۔ اور کرشن سے کہا۔

تلوار کو الٹ پلٹ کرتے رہو۔ یہانتک کہ یہ خوب گرم ہو جائے۔ ا
وران میں میں اس سے آخری جواب لے لوں گا۔

ریم لتا۔ ہاں ہاں شعلے سے بھی زیادہ چمکالے۔ تاکہ بہ یک وق
ی نشان داغے جا سکیں۔ میں تجھ سے گفتگو کرکے اپنی زبان ناپاک ک
ہیں چاہتی۔ بس یہی میرا آخری جواب ہے۔

# ساتواں باب

## شمیم میدان عمل میں

نرائن نے غضب ناک ہو کر بغیر مزید گفتگو کئے ہوئے تلوار سنبھالی اور چاہتا تھا۔ کہ سب سے پہلے اس کی تابناک پیشانی داغے۔ کہ اسی اثنا میں شمیم نہیں معلوم کہ کس دروازے سے داخل ہوا۔ اور قبل اس کے کہ نرائن ذرا بھی سنبھلے۔ وہ نہایت پھرتی سے تلوار چھین کر چپ چاپ علیحدہ کھڑا ہو گیا۔

نرائن اور کشن اس غیبی فرشتے کے یکایک نازل ہونے سے بے بس ہو کر سٹپٹا گئے۔ اور اول الذکر نے وحشت زدہ آواز میں دریافت کیا۔

نرائن۔ تم کون ہو؟

شمیم۔ مظلوموں کے لئے باعث رحمت اور ظالموں کے لئے پیغام اجل

نرائن۔ (جھلا کر) نابکار مردود۔ فوراً دوزانوں ہو کر مجھ سے معافی مانگ۔ ورنہ ایک سکنڈ میں تجھے جہنم واصل کر دیا جائیگا۔

شمیم۔ (زیر لب مسکرا کر) بندر بہت زیادہ غراتے ہیں۔ مگر مقابلہ کے وقت شر بھاگتے نظر آتے ہیں۔

نرائن۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ اسوقت کون تیرا مخاطب ہے

شمیم۔ ایک ایسے بزدل سے خطاب کر رہا ہوں جو ایک بے دست و پا مظلوم انسان کو اور رسیوں میں جکڑی ہوئی ایک غم نصیب عورت پر شدید ترین ظلم کر رہا ہوں۔

نرائن نے نہایت شاندار اور پر شکوہ الفاظ میں اپنا لمبا چوڑا نام مع القاب و آداب سنایا۔

شمیم۔ صدر پارلیمنٹ ہونے کی بجائے تم اگر کسی جلاد کی خدمت ادا کرو تو مناسب ہے۔ کیونکہ اس ہوشربا منظر کو دیکھکر معلوم ہوا کہ ہمت و مردانگی اور شرافت کا جوہر تم میں مفقود ہے۔

نرائن۔ (غصہ سے بیتاب ہوکر) آخر تو کون ہے؟ جو میرے معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

شمیم۔ (متانت سے) دہلی کا ایک معمولی باشندہ ہوں لیکن میرا نام سنکر تم جیسے جرائم پیشہ لوگوں کی روح لرزتی ہے۔

نرائن۔ (طنزاً) تو پھر تمکو جرائم پیشہ لوگوں کی تلاش میں وقت صرف کرنا چاہئے۔ یوں آوارہ گردی سے کیا فائدہ؟ ممکن ہے۔ پولس تمکو نظر بچا محل میں گھس آنے کے جرم میں گرفتار کرلے۔

شمیم۔ (مسکراکر) چھپکر داخل ہونا واقعی چوروں کا کام ہے۔ میں تو صدر دروازہ سے درانہ داخل ہوا ہوں۔ البتہ اگر تمہارے سارے پاسبان ہی اندھے ہوں تو یہ ایک لاعلاج مرض ہے۔

نرائن۔ (متعجب ہوکر) تو کیا تمکو ایک نامعلوم الاسم شخص ہو دروازہ

کسی نے نہ ٹوکا۔

شمیم۔ ممکن ہے وہ ایسا کرتے۔ لیکن اول تو یہ دیکھئے میرے پاس قیصر صاحب کا دیا ہوا حکم نامہ ہے۔ جسکو شاید غدار نقاب پوش اور حبشی وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ کچھ روپے کے لالچ سے تم جیسے ظالم و جفاکش لوگوں کی مدد پر کمر بستہ ہوگئے ہیں۔ لیکن اس تحریر کا میرے پاس ہونا خود میرے لئے اور رعیت کی اس آبادی کے لئے اطمینان قلب کا باعث ہے جو تمہارے شرمناک پروپاگنڈے کے باوجود سرکار مرحوم کی وفادار ہے۔ اور تمہارے اشاروں پر ناچنے والے نمک حرام کتوں کے لئے وہ دیکھو میرے پاس نہ خطا کرنے والا حربہ ہے۔

یہ کہکر اسنے زمین پر پڑی ہوئی ایک چھوٹی سیاہ گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جسے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسنے لاپرواہی سے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ نقاب پوشوں کی سیاہ پوشاک تھی جسے پہنکر وہ محل میں داخل ہوا تھا۔

... ائن۔ نمک حرام قیصر کے ایما پر تو یہاں آ بھی گیا۔ دھوکے کی وجہ سے محل میں داخلہ پر کسی نے ٹوکا بھی نہیں۔ لیکن میں ابھی تک ناواقف ہوں ... تو کون بیوقوف ہے۔ جو قیصر کے دشمنوں سے تک موت سے ٹکرا رہا ہے۔ اور نہیں جانتا۔ کہ تیرا انجام کتنا ہولناک ہوگا۔

شمیم (مسکراکر) اپنے منہ تنے ... جب تیرے جیسے بیوقوف کو شمیم کہتے ہیں۔

شمیم کا شہرہ آفاق نام سنکر ... کا ... نہ تھا۔ ... اس کا نام سنکر ... پڑگیا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے۔

بالآخر وہ متعجب ہو کر بولا۔

نرائن۔ کیا کہا؟ ش... شمیم ......

......... شمیم

لیکن مسٹر شمیم تمکو ان معاملات سے کیا تعلق۔ کیا حقیقتاً تم قیصر کے بھیجے ہوئے آئے ہو یا اسکے پس پردہ قوت بالادست ہے۔

شمیم۔ قوت بالادست ابھی تک تمہارے ظلم و ستم سے قطعاً بے خبر ہے ورنہ اب تک تم کسی زنداں کی زینت ہوتے لیکن اسکا بے خبر ہونا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ قدرت ایک ثانیہ کے لئے بھی اپنے بندوں کو نہیں بھولتی دیکھو اس نے مظلوموں کو بچانے کے لئے مجھے یہاں لا کھڑا کیا۔

نرائن۔ (منتشر حواس کو یکجا کر کے کسی قدر تحکمانہ لہجہ میں) مصالحت بہتر ہے ہاتھی سے گنے کھانے مناسب نہیں۔ اگر تمکو کچھ روپے کی ضرورت ہے تو مطلوبہ رقم لیکر ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر جاؤ۔ ورنہ خوب ہوا۔ تم آ گئے۔ وہ شخص جو محیر العقول سراغرسانی کی بنا پر تمام دنیا میں مشہور ہے۔ چند سیکنڈ میں ایسی میٹھی نیند سلا دیا جائیگا۔ کہ پھر قیامت تک کوئی اسکا پرسان حال نہ ہو۔

شمیم کے قہقہہ سے کمرہ گونج گیا۔ پھر اُسنے لاپرواہی سے کہا۔

مجھے میٹھی نیند سلانا تم جیسے بزدلوں کے لئے ناممکن ہے۔ نرائن بے بس ہو کر اطلاعی گھنٹی بجانے کے لئے بڑھا۔ لیکن شمیم بجلی کی طرح کوند کر اس کے سامنے آ گیا۔

شمیم۔ حبشی غلاموں کو تکلیف نہ دی جائے۔ تو مناسب ہوگا۔ وہ سب بیچارے رات بھر کے تھکے ہوئے ہیں تھوڑی دیر تو آرام لے لیں۔
نرائین۔ میں نقاب پوشوں کو بلا رہا ہوں۔ جو محل کے صدر دروازے پر میرے حکم کے منتظر ہیں۔
شمیم۔ (سادگی سے) ان نمک حرام غداروں کو بھی بس وہیں رہنے دیجئے۔
نرائین۔ (جھلا کر) بس خاموش۔ ایک معمولی سراغرساں کو بھی یہ مجال کہ مجھ پر حکم نافذ کرے۔
شمیم۔ ایک نمک حرام شخص کی بہ نسبت جس نے مہاراج بلونت سنگھ کا نمک کھا کر خود اس کے اور اس کی اولاد کے ساتھ غداری کی ہو ایک معمولی سراغرساں بہرحال بہتر ہے۔ اسلئے تمہیں ہمت کا گلہ نہ کرنا چاہیئے۔
مذکورہ فقرے کہکر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کے تاروں کو منقطع کر کے وہ لاپرواہی کے ساتھ مجھ تک آیا۔ اور جکڑی ہوئی رسی کی بندش ڈھیلی کردی لیکن اس اثنا میں دونوں حریف اسپر جھپٹے۔ مگر شمیم کی پھرتی نے جو زبردست سے زبردست دشمن کو سبق دینے کے لئے تیار رہتی ہے چشم زدن میں دونوں کو زمین پر ڈال دیا۔ انہوں نے لاکھ کوشش کی اور چاہا کہ امداد کے لئے ملازموں کو آوازیں دیں لیکن شمیم ملک الموت کے مانند انکے سر پر سوار تھا۔ اس نے پستول انکے سینہ کیجانب کر کے خاموش رہنے کا حکم دیا۔
اس دوران میں میں نے پریم لتا کو جو حیرت و استعجاب سے اس تمام کارروائی کو بغور دیکھ رہی تھی رسی کی سخت بندش سے آزاد کیا۔

شمیم - زیر لب مسکرا کر، صدر صاحب اگر کوئی ہرج مانع نہ ہو - تو کچھ عرصہ کے لئے اپنا لباس مجھکو عنایت کیجئے۔

گو نرائن شیر کی طرح بپھرا لیکن بے دست و پا ہونے کیوجہ سے مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ شمیم نے جواب کا انتظار کئے۔ بغیر اپنے عجیب و غریب داؤں سے اسکو کچھ اس طرح بے قابو کیا۔ کہ وہ ہل بھی نہ سکا اور شمیم نے نہایت پھرتی سے اسکے کپڑے اتار کر اپنے آپ پہن لئے اسی طرح اسکے ایما پر اپنے مصنوعی غدار بھائی کشن کے ساتھ میں نے بھی یہی سلوک کیا۔ اور شمیم کے لائے ہوئے کپڑے جو گٹھری میں بندھے ہوئے پڑے تھے۔ پریم کے لئے انتخاب کئے گئے۔

شمیم نے ان ہی رسیوں سے جن سے ہمکو باندھا گیا تھا۔ ان دونوں کو برابر برابر لٹا کر کچھ اس طرح کس دیا۔ کہ ان کے لئے جنبش کرنا غیر ممکن تھا۔ سرسری نظر سے دیکھا جائے۔ تو بس ایک لپٹی لپٹائی گٹھڑی معلوم ہوتی تھی۔

اس عرصہ میں شمیم کی ہدایت کے موافق میں کشن کے کپڑے پہن چکا تھا۔ اور پریم لتا اسکا لایا ہوا سیاہ نقاب والا لباس زیب تن کر چکی تھی۔ موقعہ کی نزاکت دیکھتے ہوئے بطور حفظ ماتقدم یا شاید اس ہولناک رات کی یادگار کے طور پر پریم نے نرائن کا خنجر اٹھا کر بہ احتیاط اپنے کپڑوں میں رکھ لیا۔

شمیم کشن کے ہمشکل ہونے کیوجہ سے مسٹر سلیم آپ کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن محترم خاتون آپ اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لیجئے۔ اور جب تک میرے ہمراہ محل کے باہر نکل چلئے۔ یہاں ایک منٹ بھی ضائع کرنا ہے آپ کو ہلاکت

میں ڈالنا ہے۔

پریم لتا۔ فرار ہونا ناممکن ہے۔ نقاب پوش اور حبشی صدر دروازے پر موجود ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ مجھے سیاہ نقاب اور مسٹر سلیم سرکشن کے ہشکل ہم کے باعث وہ مزاحم نہوں۔ لیکن آپ کو نرائن کے کپڑوں میں پہچان لینا نہایت سہل ہے۔ کیونکہ گو کپڑے اس کے ہیں۔ لیکن اسکی اور آپکی صورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شمیم۔ (مسکرا کر) کیا نرائن کی آنکھ پر زخم موجود نہیں ہے؟ اور کیا وہ نہیں جانتے کہ اس نے اسپر چوڑی پٹی باندھ رکھی ہے؟ بس اس پٹی کو چند لمحوں کے لئے ذرا اونچا کر کے نقاب کا کام لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ احتیاط کے باوجود پٹیاں اکثر اپنی جگہ سے سرک جاتی ہیں۔ اور اسکے ساتھ ہی اگر میں اپنی آواز کو نرائن کی آواز کے مطابق بنا سکوں تو وہ کبھی امتیاز نہیں کر سکتے۔ البتہ آپ کے لئے صرف استقلال و جرأت کی ضرورت ہے۔

پریم لتا۔ مجھے آپکے تقویت بخش الفاظ کی ضرورت نہیں۔ میں ان جفا کاروں کے ظلم و ستم سہہ کر عام عورتوں کی بہ نسبت زیادہ جری ہو گئی ہوں ہاں البتہ اپنے دوست کی ہمت بندھائیے۔ ورنہ مجھکو یقین ہے۔ کہ وہ نازک وقت پر ضرور مضطرب ہو جائینگے۔

شمیم تو اسکے مذکورہ فقروں پر صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ لیکن میں شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا۔ وہ مجھے بیحد ڈرپوک سمجھ رہی تھی اور اسکا مجھے ایسا سمجھنا قرین انصاف بھی تھا کیونکہ میں نے زنداں میں پریشانی

ظاہر کرتے ہوئے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے ساتھ اگر میں مکرر کہوں تو کچھ بیجا نہ ہو گا کہ اس کی مستقل مزاجی اور علو ہمتی قابل تحسین تھی۔

اثنائے گفتگو میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں سٹپٹا گیا اور پریم بھی کچھ پریشان سی ہو گئی۔ لیکن ہماری پریشان کن حالت کو قطعی نظر انداز کر کے شمیم نے اپنے چہرے کو نرائن کے رومال کی اوٹ میں کر کے دروازہ کا ذرا سا پٹ کھولا۔ اور خود اسکے قریب جا کھڑا ہوا۔

دھوکہ میں مبتلا نقاب پوش نے اسکو نرائن سمجھکر ناشتہ کے تیار ہونے کی اطلاع دی۔

شمیم مجھے ابھی اطلاع ملی ہے۔ کہ قیصر ہمارے خلاف کوئی نیا شگوفہ کھلانے والا ہے۔ اسلئے ناشتہ سے پہلے میں اور چھوٹے سرکار اطلاع لانے والے نقاب پوش کے ہمراہ تھوڑی دیر کے لئے شہر جانا چاہتے۔ اسلئے ناشتہ کو چھوڑو اور ڈرائیور سے موٹر منگواؤ۔

شمیم کو آواز تبدیل کرنے میں خاص ملکہ تھا۔ اسلئے مذکورہ گفتگو میں اسکی زبان نے کسی قسم کی لغزش نہ کی۔ معلوم ہوتا تھا۔ نرائن بول رہا ہے نقاب پوش خادم تعمیل ارشاد کے لئے واپس گیا۔ اور چند منٹ ہی بعد اطلاع مل گئی کہ دروازہ پر موٹر تیار ہے۔

میں انداز و قار سے اور شمیم اسی طرح رومال کی اوٹ کئے اور آنکھ کے مصنوعی زخم کی تکلیف سے کراہتے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پریم لتا خاموش مودبانہ چال سے ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔

باہر رولز رائز کی سبک رفتار موٹر ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ جو ہمکو لیکر روانہ ہوئی
لیکن ابھی ہم کچھ زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی دوسری کار
ہمارے پیچھے آ رہی ہے میں نے کہ شمیم و پریم لتا کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ ذرا
اُچک کر ہُڈ۔ کے شیشہ میں سے دیکھا بیشک ایک تیز رفتار
چھوٹی سی موٹر جسمیں چار نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے ہمارے پیچھے آ رہی
تھی۔ شاید ہمارے روانہ ہوتے ہی راز بے نقاب ہو چکا تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی انہوں نے نہایت جوشیلی آواز میں موٹر کے روکنے
کا حکم دیا۔ اور جب موٹر نہیں رکی گئی۔ تو انہوں نے گولیاں چلائیں انکے پے
درپے فائروں سے ٹائیر چھلنی ہو گئے۔ جس سے ہماری کار کی رفتار سست
ہو گئی۔ اور آخر کار بالکل رک گئی۔

معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہمیں زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ تمام
گولیاں صرف پچھلے ٹائیروں پر ماری گئیں۔ ورنہ ممکن تھا کہ ہمیں بھی کوئی
نقصان پہنچتا۔ کیونکہ ہُڈ کو کھلی ہوئی تھی۔ لیکن جائے نشست سے تو وہ بے
خبر تھے۔ ممکن تھا۔ کہ وہ نشست گاہ پر گولیاں چلاتے اور وہ موٹر کی
باڈی میں سے ہوتی ہوئی ہمارے جسموں میں پیوست ہو جاتیں۔

میرے خیال کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے۔ کہ بعد میں ان لوگوں نے
جو حملہ کیا۔ اسوقت پستول استعمال نہیں کئے گئے۔ بلکہ وہ سب کے سب خنجر
بکف تھے۔ البتہ میرے خیال میں اتنی ترمیم ضرور ہوئی۔ کہ وہ اپنے حریف اعظم
شمیم کی جان کے درپے تھے۔ شاید یوں کہ اسکا زندہ گرفتار کرنا وہ آسان

نہ سمجھتے تھے۔

ہماری کار کے رکتے ہی انکی کار بھی قریب آگئی۔ اور ان میں سے ایک پائے دان پر پیر رکھکر چاہتا تھا۔ کہ خنجر سے شمیم کو ہلاک کردے لیکن یکایک شمیم کا شکاری چاقو بجلی کی طرح کوندا۔ اور پلک جھپکاتے ہی دشمن کے سینے کے پار ہو گیا۔ نقاب پوش لڑکھڑایا اور سڑک پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کا دوسرا ساتھی اپنے شریک کار کو اس طرح مرتے دیکھکر جھلا گیا۔ اور قریب تھا کہ شمیم کا کام تمام کردے لیکن شمیم نے فوراً اسکو زد پر لا کر اس کی کلائی پکڑلی۔ اس نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن اسکی اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلائی مڑجانے سے اسکا خنجر خود اسی کے سینہ کو فگار کرتا ہوا پار نکل گیا۔

باقیماندہ دو نقاب پوش حملے کی نیت سے موٹر کی دائیں جانب آئے تھے۔ خیال تھا کہ خنجر کی چکاچوند پیدا کرنیوالی خوفناک چمک شاید پریم کو مرعوب کردے۔ لیکن میری طرح شاید آپ بھی متعجب ہونگے کہ شمیم کی مانند اسنے بھی دشمن کے حملے کو نہایت سرعت سے رد کیا جیسے ہی نقاب پوش موٹر کے اندر جھکا۔ پریم کا وہی خونخوار خنجر جو اس نے محل سے اٹھایا تھا۔ پیغام قضا لیکر حریف کے سینہ میں گھپ گیا۔ اور آناً فاناً میں زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دوسرا نقاب پوش ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ پریم کا خون آلودہ خنجر جو ابھی دشمن کے خون میں نہا چکا تھا۔ بغیر ایک ثانیہ کی تاخیر کئے اسکی بائیں آنکھ میں گھس گیا۔ زخم خوردہ حریف ایک دلدوز چیخ کے ساتھ

اپنے ہمراہی کی لاش پر گرا۔ اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

میں جو درمیان میں بیٹھا ہوا اپنے دائیں بائیں ہونے والے خطرناک واقعات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ پھر انگشت بدندان رہ گیا۔ کیا شمیم کے علاوہ پریم کی غیر معمولی جرأت و بہادری حیرت خیز نہ تھی؟

ایک ایسے موقعہ پر کہ چار وہ شخص جو ہماری جان لینے کے خواہشمند تھے۔ چشم زدن میں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھدے گئے تھے۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ لیکن پریم نے اس خوفناک منظر کا نہایت استقلال سے نہ صرف مشاہدہ کیا۔ بلکہ بے نظیر جسارت و مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے شمیم کا ہاتھ بٹایا۔ اگر وہ ذرا بھی غفلت کرتی۔ تو خیال ہی نہیں بلکہ یقین کامل تھا۔ کہ دشمن شمیم کی جانب سے نہیں تو اس طرف سے ضرور فتحیاب ہو جاتا۔ اور اسوقت دشمنوں کی بجائے ہم خود انکی جگہ پڑے ہوئے دم توڑ رہے ہوتے۔ یا پابہ زنجیر مقتل کی طرف روانہ کیے جاتے۔

ہماری کار کے ٹائیر زبیکار ہو چکے تھے۔ اسلئے ہمیں پچھلی موٹر میں سوار ہونا پڑا۔ ہمارا ڈرائیور حالانکہ دشمن کا آدمی تھا۔ لیکن وہ صرف حیرت و استعجاب کا مرقع بنا ہوا ایکا یک پیش آنے والے واقعات کو دیکھتا رہا۔ جو چند سیکنڈ میں ختم ہو گئے۔ مجھے بیان لکھنے اور آپکو مطالعہ کرنے میں شاید کچھ دیر لگی ہو۔ لیکن درحقیقت یہ واقعہ اتنے جلدی ختم ہو گیا کہ نہ وہ فیصلہ کر سکا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور نہ میں سمجھ سکا۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔

اب جبکہ اسکے ہمراہی مقتول موت کی میٹھی نیند سو چکے تھے۔ اور وہ تین

خوانخواہ دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا۔ اُس نے میرے دونوں
ہمراہیوں کی بہ نسبت مجھکو شاید کچھ رحمدل سمجھا۔ کیونکہ اس کی آنکھیں
میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور انمیں رحم کی ایک التجا پائی جاتی تھی
میری طرف سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسکو جواب دیدیا گیا۔ کہ
خواہ وہ مستحق ہو۔ لیکن جس چیز کا وہ طالب ہے۔ بہر حال ہم پہنچائی جائیگی
کیونکہ وہاں ٹھہرنا قرین مصلحت نہ تھا۔ اسلئے شمیم نے روانگی کی خواہش
ظاہر کی۔

پریم نے ایک عجیب دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اپنی قاتل
آنکھ سے اشارہ کیا۔ اور نہایت متانت سے حکمانہ لہجہ میں ڈرائیور سے کہا۔
"قیصر پیلس"

# آٹھواں باب (۸)

## حیرت انگیز پیشین گوئی

تھوڑی دیر بعد ہمنے "قیصر پیلس" کی پر شکوہ اور عالیشان عمارت میں قیصر سے ملاقات کی۔

انگریزی فیشن کا عمدہ لباس پہنے ہوئے وہ ایک ضعیف العمر لیکن طاقت ور آدمی تھا۔ ٹائی کا ڈیزائن دیدہ زیب۔ دستانے خوبصورت اور راجپوتانی وضع کا خوشنما صافہ سر پر بندھا ہوا اسکی نفاست طبع کا کافی ثبوت تھا۔

اس کے انداز دید سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ مجھکو پہلے کہیں دیکھ چکا ہو اور حافظہ پر زور ڈالکر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اس نے مجھے کب اور کہاں دیکھا ہے؟

لیکن اسکے کچھ ہوتے بعد کے الفاظ سے میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ درحقیقت اس نے مجھے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بلکہ وہ میری صورت دیکھکر حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق تھا۔ کیونکہ میری صورت کرشن و کشن سے اسقدر ملتی تھی۔ کہ تینوں میں تفریق ناممکن تھی۔

قیصر۔ مسٹر شمیم آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ درحقیقت آپ کے دوست

کیا نام بتا یا تھا۔

آپ نے ــــــــــــ ہا ۔ ا ۔ ن مسٹر سیلم کی صورت اُن دونوں بچیوں سے اسقدر مشابہت رکھتی ہے کہ اگر ان تینوں کو یکجا بٹھا دیا جائے۔ تو شاید میں نہیں بتا سکتا کہ ان میں کرشن وکشن کون ہیں اور مسٹر سیلم کس کو کہا جائے؟ میں پستول کی گولی اور پریم لتا ہنٹر سے لگے ہوئے زخموں کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اسلئے اسوقت یہ سلسلہ گفتگو یہیں ختم ہو گیا۔

ریاست کے جلیل القدر ڈاکٹروں کو بلا کر ہماری مرہم پٹی کرائی گئی۔ میں نے دیکھا۔ کہ پریم جو ہمیشہ ہمت و استقلال کی عادی تھی۔ اسوقت اس لئے کہ کافی تکلیف سے دوچار ہو چکی تھی۔ یا شاید اسلئے کہ تکالیف کے ختم ہو جانے کے بعد آرام و راحت ملنے پر انسان میں وہ عزم باقی نہیں رہتا اپنی جگہ بیٹھی نہ رہ سکی۔ اس کے جسم میں شرابیوں کی طرح کپکپاہٹ پائی جاتی تھی پھر اس کی زبوں حالت دیکھکر بیقرار ہو گیا ہر شخص خود اپنی نور نظر کے لئے بھی غالباً اتنا ہی بے چین ہو سکتا ہے۔

خود میری اپنی حالت یہ تھی۔ کہ کراہتا تھا۔ سر میں چکر آ رہے تھے۔ بستر ملتے ہی اسپر گر پڑا۔ چار دن متواتر اتنا تیز بخار رہا۔ کہ بعض اوقات شمیم کو میری جان کے لالے پڑ گئے۔ ممکن ہے۔ صحیح ہو۔ مگر اتنا مجھے یاد ہے۔ کہ اتنا سے بیہوشی میں مجھے خوفناک خواب دکھائی دیتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا ہم تینوں مدھم وہی موٹر ہے۔ وہی صحرائی مقام اور وہی چاروں نقاب پوش موٹر کو حلقہ

میں لئے ہوئے خوفناک قہقہوں کے ساتھ رقص کر رہے ہیں۔

اپنے طرار شاگرد ستر پیٹر کے ذریعہ دہلی سے ادویات اور دیگر ضروری چیزیں منگا کر شمیم نے تو ان ایام میں حق رفاقت ادا کیا ہی۔ مگر قیصر کا خدا بھلا کرے کہ پریم کے ساتھ اس نے میرا بھی بیحد خیال رکھا۔ روزانہ گھنٹوں میرے پاس بیٹھا رہتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دوران بیہوشی میں ہم دونوں کیلئے ہندوستان کے مایہ ناز ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری اور مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کو دعوت دیکر بلایا گیا تھا۔ اور جب تک ہم خطرناک حالت سے نہ گذر گئے۔ ان کا قیام یہیں رہا۔

میں نے دیکھا۔ کہ محل کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازم اور ریاست کے امراء و رؤسا پریم کی بہ نسبت میری طرف زیادہ متوجہ اور میرے ہی لئے زیادہ پریشان تھے آپ سمجھے کیوں۔ اسلئے کہ ریاست کا ہر باشندہ اس مغالطہ میں مبتلا تھا۔ کہ پریم کے ساتھ اسکا پیارا شوہر کرشن بیمار ہے۔ ان کا خیال تھا کہ انکی قسمت کے سیاہ و سفید کرنے والے کھیتڑی کے والی کو نراتن کی قید سے آزاد کرا لیا گیا ہے۔

مجھے ہوش آنے کے دوسرے روز جبکہ میری طبیعت پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ بہتر تھی شمیم نے مجھکو بتایا۔ کہ اسنے دہلی تار دیکر اپنے چند آدمیوں کو میری جاگیر پر بھیجدیا تھا۔ تاکہ معمولی کام وہ خود کرلیں۔ اور ناقابل فہم الجھنوں کو دور کرنے کیلئے مجھے بلالیں کیونکہ شدید علالت کے باعث وہ مجھے تنہا نہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسی لئے انکی خواہش پر وہ صرف ایکروز وہاں رہکر چلا آیا تھا۔

اور یہاں کے حالات بھی اُس نے گوش گزار کیئے۔ کہ گو عوام کو تمہاری نسبت مغالطہ ہے۔ لیکن نرائن جو اس یادگار رات کو خود بھی دھوکہ میں مبتلا تھا۔ اب سمجھ گیا ہے۔ کہ کرشن کو جہاں اس نے مقید کیا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں اسیر ہے۔ اور جان گیا ہے۔ کہ اس رات کو عشرت محل کے سٹیج پر کرشن کا پارٹ ادا کرنے والا سلیم ہے۔

یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس معاملہ کو سلجھانے کے لئے قیصر نے شمیم کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ لیکن اسکے برعکس نرائن نے ہمارے مقابلہ پر زبردست دشمن کھڑا کر دیا تھا۔

شمیم نے نام بتانے کی بجائے صرف "زبردست دشمن" کہا۔ اور جب میں نے نام کی وضاحت چاہی۔ تو اس نے ہلکے گلابی رنگ کا ایک لفافہ جو قیصر پیلس کے پتہ پر شمیم کے نام آیا تھا میرے ہاتھ میں دیدیا۔

لفافہ دیکھتے ہی مجھکو خیال ہوا۔ کہ وہ اس سے پہلے میرا دیکھا ہوا ہے سایہ کے مانند ایک خفیف سی یاد میرے دماغ میں باقی تھی۔ لیکن حافظہ پر کافی زور ڈالنے کے باوجود بھی میری کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ ذہن میں بات آتی۔ اور آتے آتے رہ جاتی تھی۔ انداز تحریر بھی میرے لئے نیا نہ تھا مگر ——————— میں چند منٹ اسکو بغور دیکھتا اور حافظہ پر زور ڈالتا رہا آخر کار میری سعی نامشکور ثابت نہ ہوئی۔ مجھے یاد آگیا کہ وہ ——————— لیکن ساتھ ہی میرے جسم میں ایک کپکپی اور ہاتھوں میں ہلکا سا لرزہ پیدا ہوگیا۔ بمشکل میں نے اپنی

حالت کو درست کیا۔ گو میں نے لفافہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا تھا لیکن اخبارات میں اکثر اس گلابی لفافہ کا سنسنی خیز ذکر پڑھ چکا تھا اور اس تحریر کے عکسی فوٹو بھی بارہا مختلف اخبارات میں نظر سے گزر چکے تھے۔

مذکورہ واقعات کا نقشہ آنکھوں میں پھر جانے کے بعد میری حیرت و سراسیمگی کا سہل ترین اندازہ آپ قمر کے شہرہ آفاق نام سے لگا سکتے ہیں جس سے دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اور جو اس سے قبل اپنی عجیب غریب چوریوں کے سلسلے میں شمیم کا مد مقابل رہ چکا تھا۔ اس کے باوجود کہ شمیم نے ہمیشہ اس کی راہوں کو مسدود کر کے اسکو ناکامیاب ضرور کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ ایک نئے روپ میں ظاہر ہو کر کسی ناقابل فہم و سنسنی خیز واقعہ کا موجب بن جاتا تھا۔

لفافہ میں سے گلابی رنگ کا ویسا ہی پرچہ نکلا۔ اپنے اسی انداز تحریر میں اس نے لکھا تھا۔

مسٹر شمیم۔ سلام مسنون!

عرصہ دراز کے بعد آج مجھے آپ کے [illegible] کے پتہ پر آپکے نام خط لکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ آپکی عالمگیر شہرت کی بنا پر آپکے حریف نے مقابلہ پر مجھے دعوت دی ہے۔

عرصہ مدید کی گوشہ نشینی سے میں خود بھی تنگ آ چکا تھا۔ میرے لئے یہ ایک اچھی تفریح کا سامان ہے۔

دوسروں کا شریک کار ہو کر نمایاں ہونے کو مجھے سب سے زیادہ [illegible]

ملا ہے۔ لیکن ـــــــــــ لفظ شرکت میرے لئے ایک لغو
چیز ہے۔ کیونکہ تمام کام خود میری دماغ سوزی کا رہین منت ہوگا۔
چونکہ میں کوئی کام بغیر کسی معقول وجہ کے نہیں کرتا۔ اسلئے آپ سے پوشیدہ
رکھنا بے سود ہے۔ کہ دو لاکھ روپیہ نقد اور گذشتہ راجگان کے جمع شدہ قلعہ
میں رکھے ہوئے لایق دید ہیرے جو نادر و نایاب ہونے کے ساتھ ساتھ بیحد
تاریخی اہمیت رکھتے ہیں معاوضہ میں نہیں بلکہ ـــــــــــ
بطور نذر مجھے پیش کئے جائینگے۔

مذکورہ بالا نذر میں سے ایک لاکھ روپیہ بطور پیشگی ۱۲ر اکتوبر کو مجھے
ملجائے گا۔ جس کے بعد آپ سے ملاقات ہونے کی قوی امید ہے ورنہ آپ
جانتے ہیں۔ کہ جیب کو پر کئے بغیر کورے وعدوں پر دماغ ریزی کرنا نادانی ہے

دہلی مورخہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

میں ہوں آپکا مخلص

بہرام

وہی بہرام جسنے نیلی چھتری تلاش کرکے اپنی اعلیٰ دماغی کا بے مثال
ثبوت دیا تھا۔ اور اسپر قابض ہوکر تمام ہندوستان میں اپنے ہمت و استقلال
کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ وہی سینکڑوں شکلوں میں ظاہر ہوکر ایک نت نئی اور ناقابل
فہم واردات کا مرتکب ہوکر نظروں سے پنہاں ہوجانے والا ـــــــــــ

وہ ـــــــــــ جو کبھی بنک کا معمولی چپڑاسی۔ کبھی کسی
لمیٹڈ فرم کا ڈایریکٹر۔ کبھی متکلم فلم کا کامیاب فلم ستارہ۔ کبھی سی آئی ڈی
کا آفیسر۔ کبھی یورپین پرنس اور کبھی "بہرام کی گرفتاری" کا ہیرو مہراب جنگ

کی حیثیت سے ملک میں روشناس ہوتا تھا جسکا اپنے آپ کو ہوائی کلب کا نمایاں ممبر، سائنس کا پروفیسر اور لاسلکی کا موجد ظاہر کرنا بالکل سہل تھا!

میں قیصر، پریم اور ان سے ہمدردی رکھنے والے سب لوگ اس کے اعلان جنگ سے خوف زدہ تھے۔ لیکن شمیم کے چہرہ پر وہی سنجیدگی اور متانت تھی جو ہم جیسے متین لوگوں کا خاص حصہ ہے۔ دراصل وہ شمیم و بہرام دونوں ایک دوسرے کی صحیح قدر و قیمت سے واقف تھے۔ یہ اس کی متحیر کن چوریوں میں اس کے دماغ کی کارفرمائی دیکھکر اس کی لاثانی جدتوں کا قائل تھا اور وہ اسے بعید از عقل گتھیوں کو لمحوں میں سلجھا دینے والا واحد شخص خیال کرتا تھا۔ اور ایک ہندوستانی سرغرسان کی لاثانی شہرت اسکے لئے باعث مسرت تھی۔ اور یہ اسکی حب الوطنی کی ادنی مثال ہے۔

میں نے لفافہ بند کرکے شمیم کو واپس دیدیا۔ وہ بہرام کے اس اعلان جنگ کے بعد اس واردات میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔

۱۸ تاریخ کا چلا ہوا بہرام کا رقعہ ۱۹ تاریخ کو شمیم کے نام موصول ہوا اور اسے آئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ گویا بہرام کی [illegible] میں صرف ایک روز باقی تھا۔ میری [illegible] پریم کی شدید بیماری کیوجہ سے شمیم [illegible] کی طرف متوجہ ہو سکا تھا۔ لیکن اب وقت ضائع کرنا حماقت تھی کیونکہ [illegible] اور وہ ٹکڑا جو ہم نے کشن سے حاصل کیا تھا اسی طرح [illegible] میز کے پائے کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ حالانکہ نرتن اور اسکے شریک کار [illegible] عشرت محل [illegible] موجودگی سے لاعلم تھے۔ لیکن بہرام کے متعلق مجھے گمان غالب نہیں تھا

یقین واثق تھا کہ وہ اسے تلاش کر لیگا۔

اس کی آمد سے قبل عشرت محل میں گھسکر یا یوں کہیئے کہ دوبارہ دشمنوں کے نرغے میں پھنسکر طلائی سکہ کو وہاں سے حاصل کر لینا نہایت ضروری تھا لیکن کس طرح؟ ——————

———— یہ ابھی کسی کو معلوم نہ تھا۔

اسکے علاوہ ایک نامعلوم مقام سے کرشن کو آزاد کرانے کے لئے بھی ہمارے پاس آج ہی کا دن تھا۔ ورنہ کل بہرام آکر کیا ہماری کامیابی میں مزاحم ہونے کی کوشش نہ کرتا۔

غمیم کے علاوہ ہم سب کے خیال میں ہمارا آج کا پروگرام بہت سخت تھا۔ موت کے منہ میں جاکر عشرت محل سے سکہ لانا اور اسیر بلا کرشن کو آزاد کرانا جس کے متعلق کسیکو خبر نہ تھی۔ کہ کہاں ہے؟

لیکن اسکے برعکس متانت اور سنجیدگی کا مجسمہ شمیم آئندہ پیش آنے والے پیچیدہ اسرار سے قطعی لاپرواہ دونوں مہموں میں اپنی کامیابی پر اتنا ہی یقین رکھتا تھا۔ جتنا توام بھائیوں کے ساتھ میرا بھی ان کا ہمشکل ہونا۔

اس کا دعویٰ تھا۔ کہ کل بہرام کے آنے سے پہلے ہی نہیں بلکہ آج نصف النہار سے قبل سکہ کا ٹوٹا ہوا ٹکڑہ عشرت محل کی بجائے قیصر کی جیب میں پڑا ہوا ہوگا اور اسیر بلا کرشن قیدخانہ کی خوفناک چہار دیواری کی بجائے اپنے قتیل خنجر ناز کی آغوش میں آج سورج غروب ہونے کا منظر دیکھ سکے گا اور پھر آج کے بعد ——————

کل سے آیندہ ہفتہ کے اختتام تک اس نے بتایا۔ کہ وہ ٹوٹے ہوئے ۔۔ کہ کا دوسرا ٹکڑا لے لینے اور بہرام کو بے نیل و مرام واپس کرنے یا اسکو مقید کر کے تبدیل آب و ہوا کے لئے سرکاری حویلی میں بھجدینے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیگا۔

آیندہ ہفتہ کتنا خوفناک ——————

—————— اور ساتھ ہی کتنے پر اسرار واقعات کا حامل تھا۔ کہ اپنے فن میں ماہر اور اپنے طرز کی دو خاص الخاص ہستیاں اپنی عجیب و غریب اور مخصوص طریقوں سے آپس میں ٹکرانے کے لئے آمادہ تھیں۔

گو قیصر شمیم کی بے مثال سراغرسانی سے ناواقف نہ تھا لیکن اس کے باوجود ایک بے نظیر چور کے مقابلہ میں جسکا ثانی روئے زمین پر موجود ہو اسکے دعوی کو شاید ایک حد تک لایعنی سمجھتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اسوقت اس کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک موجود تھی۔

شمیم اسکی یہ حالت دیکھکر قدرے چیں بجبیں ہوا۔ اور ساتھ ہی ایک گہری نظر ڈال کر اس نے اس کے موجودہ مہمل خیال کو جو اسکی صورت سے صاف عیاں تھا۔ اپنے ذہن نشین کر لیا۔

اس کی مافوق الفطرت سراغرسانی کی بنا پر لاکھوں ایسے لوگ موجود تھے جو شاید ندائے غیبی کے بعد اس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کو درجہ دیتے سمجھتے تھے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی کچھ لوگ ایسے بھی تھے۔ جو بھی بے نظیر سراغرسی کے باوجود اسکی قبل از وقت پیشین گوئیوں کو جو بعد میں درحقیقت صحیح ثابت ہوتی

تھیں۔ آغاز تفتیش میں لایعنی سمجھتے تھے۔ لیکن تفتیش کے اختتام پر ان کا نام بھی اسکے مداحوں اور معترفوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا تھا۔

اول الذکر موقعوں پر جواب دیکر معقول کرنے کی بجائے خاموش رہنا اسکی عادت تھی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اسکا دماغ ان اعتراضوں کو محفوظ رکھتا اور مؤاخر الذکر موقعہ پر اسکی کامیاب تفتیش ہی ان اعتراضوں کا جواب ہوا کرتی تھی۔

لیکن اسوقت قیصر کی نگاہ نے کچھ ایسی بے اعتباری ظاہر کی کہ شمیم جیسا سنجیدہ اور متین شخص بھی برافروختہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر کچھ کہے بغیر جلد اس نے اپنی حالت میں سکون پیدا کر لیا۔ لیکن کوئی بہترین فوٹوگرافر بھی شخصی تصویر اس خوبی سے نہ اتار سکے گا۔ جس طرح آنکھوں ہی آنکھوں میں قیصر کی موجودہ بے اعتبار شبیہہ اس نے ذہن نشین کر لی تھی۔ لیکن میرا خیال تھا کہ اسکے جواب میں آج شام ہی کو قیصر شرمندہ نظر آسکیگا۔

قیصر کی بے چین طبیعت اس کی زبان کو بھی بند نہ رکھ سکی اسنے کہا:

مسٹر شمیم شاید آج شام تک آپ کا کامیاب ہونا ناممکن ہے . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . اور اتنی عجلت ہمیں شاید ہمیشہ کے لئے ناکامیاب کر دے

اسکے اول الذکر فقرے میں بھی وہی بے اعتباری کا رنگ غالب تھا تو آخر میں اسنے اپنی رائے پیش کر کے رخ بدلنے کی کوشش ضرور کی۔

شمیم۔ لاف زنی میرا کام نہیں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ انشاءاللہ اسی طرح

انجام پذیر ہوگا۔ البتہ آپکے مشورے کو فی الحال قابل وقعت تسلیم نہیں کرسکتا ——— اس وقت ایک لمحہ ضائع کرنا میرے لئے سوہان روح سے کم نہیں۔ اسلئے بیکار گفتگو میں وقت ضائع نہ کیجئے۔ اور جو کچھ میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ غور فرماکر جلد جواب دیجئے۔

"فرمائیے میں حاضر ہوں"

قیصر نے اپنی خفیف شرمندگی کو چھپاتے ہوئے کہا۔

شمیم - ان آثار قدیمہ کی کوئی فہرست یا تفصیل کہیں موجود ہے جس پر اب عشرت محل دوبارہ فیشن جدید پر تعمیر کیا گیا ہے۔

قیصر - آثار قدیمہ کے متعلق ایک غیر مطبوعہ کتاب تاریخ عشرت محل سے شاید اس کے متعلق کوئی حال معلوم ہوسکے جو جنت نصیب مہاراجہ کی خاص لائبریری میں موجود ہے۔

شمیم - جلدی کیجئے۔ میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے تاخیر مزید مجھکو آپکی نظر میں قابل تعزیز نہ بنادے۔

ایک چبھتا ہوا طنز اسکے فقرے میں موجود تھا۔ لیکن قیصر بغیر کچھ جواب دیئے کتاب لینے چلا گیا ———

——— ایک لمحہ بعد شمیم اسکی ورق گردانی کر رہا تھا۔

شمیم - میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ کامیابی ہمارے قدم چومنے کے لئے تیار ہے ——— میں سلیم پریم کے ساتھ عشرت محل جارہا ہوں۔ لیکن تین گھنٹہ بعد یعنی گیارہ بجے

دوپہر کو ہمیں یہیں قیصر پیلیس میں کھانا تیار ملنا چاہیئے ۔ اس وقت لوٹے ہوئے سکّے کا ایک طلائی ٹکڑا عشرت محل کی بجائے آپ کی جیب میں ہوگا کھانے کے بعد بارہ بجے چار بندوقیں اور چار آدمیوں کیواسطے شام کا کھانا تیار ملنا چاہیئے ۔ اگر آپ کی خواہش ہو ۔ تو دوسری مہم پر آپ خود بھی ہمارے ہمراہ چل سکتے ہیں ۔

قیصر نے ہماری روانگی کے لئے موٹر کے واسطے حکم دیا ۔ لیکن معلوم ہوا کہ شمیم کے ایما پر وہ پہلے ہی سے تیار کھڑی ہے ۔ میں اور پریم اس کے ساتھ موٹر پر روانہ ہوئے ۔

لیفٹ ——— رائٹ ———

——— ہارن بجاؤ ——— اب پھر بائیں طرف

——— اب کہیں مڑنے کی ضرورت نہیں ۔

یدھے چلو ——— سست رفتاری نقصان دہ ہے

ز چلاؤ ——— ہاں ٹھیک ہے ۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا وہ شوفر کو حسب ضرورت مذکورہ ہدایات دے رہا تھا ۔

معلوم ہوا ۔ ہمارے دوران بیماری میں اسنے میری جاگیر پر جانے علاوہ وہ یہاں بھی عشرت محل کے صدہا چکر لگا کر اپنی معلومات کے دائرہ بہت وسیع کر لیا ہے ۔ اور اب وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جن بنیادوں پہ رت محل تعمیر کیا گیا ہے ۔ وہاں کبھی ایک کہنہ قلعہ تھا ۔

ہندوستان کی قدیم عمارتوں کیلئے تہہ خانوں کی تعمیر بھی لازم تھی۔ لیکن بعد تلاش کے باوجود ان کے نکاس کا راستہ معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ پھر دیگر معمر حضرات سے استفسار کے بعد بھی معلوم نہ ہو سکا۔ کہ طرز قدیم کے تحت عشرت محل کے نیچے کوئی تہ خانہ یا سرنگ ہے بھی یا نہیں۔

بالآخر اسکا آخری تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا۔ اور تاریخ عشرت محل سے معلوم ہوگیا۔ کہ اس کے خیال کے موافق اس کے نیچے متعدد سرنگیں اور تہ خانے موجود ہیں۔ اور اب تمام حالات سرسری نظر سے پڑھکر اس نے عشرت محل کے قدیم اسرار معلوم کرنے کے لئے روانگی میں ایک منٹ کی تاخیر نہ کی۔ اور اسوقت وہ ہمکو سرنگوں کے ان دروازوں کی جانب لیجا رہا تھا۔ جن سے وہی واقف تھا۔

# نواں باب (۹)

## پر اسرار انسپکٹر

لمبی پختہ سڑکیں چھوڑکر غیر معروف راستوں سے ہوتا ہوا وہ ہمکو لیکر ایک گنجان جنگل میں پہنچا۔ اور موٹر چھوڑکر ہاتھ میں غیر مطبوعہ تاریخ لیئے ہوئے بہت عرصہ کسی خاص درخت کو تلاش کرتے رہنے کے بعد آخرکار وہ ایک سرس کے درخت کے قریب ٹھیرا۔ کچھ دیر اس کے نزدیک زمین پر کوئی خاص نشان تلاش کرتا رہا۔ پھر ہم دونوں کی مدد سے اسنے زمین میں گڑے ہوئے ایک پتھر کو بمشکل سرکایا جس کے نیچے ایک آہنی پلیٹ تھی۔ کسی نامعلوم خفیف حرکت سے اسنے پلیٹ کو ایک طرف کھینچا جس سے زمین کا کچھ حصہ ایک آہنی آواز کے ساتھ ایک طرف سرک گیا۔

اب ہمارے سامنے عشرت محل کو جانے والی ایک لمبی اور سخت اندھیری سرنگ تھی۔ اس نے ایورریڈی ٹورچ ہاتھ میں لیا۔ اور ہمکو اپنے اسلحہ سے باخبر رہنے کی تاکید کی۔

قیصر کے مانند نہیں بلکہ —————— اس کے برعکس پریم کے چہرہ پر مسکراہٹ کی ایک خفیف جھلک پیدا ہوئی اور غائب ہو گئی۔

غالباً وہ اس غیر معمولی احتیاط کو فضول سمجھتی تھی۔ شاید یوں کہ ——

—— جب ہمارے علاوہ محل کی اس راہ سے کوئی دوسرا واقف نہ تھا تو پھر خطرہ کیسا؟ اور خنجر بکف ہونا کیا معنی؟

لیکن شمیم اس کی اس ایک منٹ میں ختم ہو جانے والی مسکراہٹ کو دیکھ کر خود بھی زیرلب مسکرا دیا۔ غالباً اسکو یقین تھا کہ پریم قبل از وقت قائم کئے ہوئے اپنے خیالات پر یقیناً شرمسار ہوگی۔

دل و دماغ کو پراگندہ کرنے والی ایک ناقابل برداشت بدبو تمام سرنگ میں پھیلی ہوئی تھی۔ بالکل ایسی ——

جیسے عرصہ دراز سے بند پڑی ہوئی کسی کہنہ عمارت میں جہاں چمگادڑوں نے اپنے گھونسلے بنالئے ہوں ——

یا یوں سمجھئے جیسے اردو معلی دہلی اور فتحپور سیکری کے بعض بوسیدہ حصوں اور قطب مینار وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

چھت جگہ بجگہ بوسیدہ۔ زمین کا پلاسٹر جگہ جگہ سے غیر ہموار دیواریں مخدوش تھیں۔

وہاں سے سو قدم آگے دائیں جانب دیوار پر چکنی مٹی سے ایک اسی قسم × کا نشان بنا ہوا تھا۔ جسے شمیم نے بغور دیکھا۔ اور پھر لاپرواہی سے آگے بڑھ گیا۔ اس سے آگے سرنگ بتدریج بہتر صورت اختیار کرتی گئی۔ نہ چھت کی کڑیاں لٹکی تھیں نہ زمین پر چھوٹے چھوٹے غار اور نہ دیواریں اتنی بوسیدہ جیسا کہ ہم شروع میں دیکھ چکے تھے۔

راہ چلتے میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جسے سنکر ممکن ہے آپ بھی متحیر رہ جائیں۔ ایک نہایت مضبوط اور زمانہ حال کے تیار کردہ سامان سے بنا ہوا بالکل نیا فولادی درواز جسنے سرنگ کو دو ٹکڑوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت کھلا ہوا ———————— ہمکو اندر داخل ہونے پر خوف زدہ کرنے کے لئے کافی مواد رکھتا تھا۔

میں حیرت و استعجاب کا مرقع، پریم دہانہ پر مسکرانے پر شرمندہ اور شمیم اس راجکماری کی طرف دیکھکر مسکرایا تھا جو دروازہ پر اسکی غیر معمولی احتیاط کو لایعنی تصور کر چکی تھی۔

شمیم کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ کہ نرائن جو ایک عرصہ دراز سے عشرت محل پر قابض ہو چکا ہے۔ ممکن ہے اس کے اسرار سے واقف ہو گیا ہو چنانچہ غیر مطبوعہ تاریخ میں اس دروازہ کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی مصلحت کی بنا پر نرائن ہی اسکا موجد ہے۔

شمیم نے دروازہ کو سرسری نظر سے دیکھا۔ زمین کو ٹٹولا۔ چھت پر نگاہ ڈالی اور پھر ہمکو لیکر آگے چلا اس سے آگے زمین بتدریج اونچی ہوتی جاتی تھی اسلئے میرا خیال ہے کہ عشرت محل کسی پہاڑی پر بنایا گیا ہے۔ میں نے مزید طمینان کے لئے شمیم سے ابھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ کہ اس نے زمین سے تقریباً تین فٹ اونچے لگے ہوئے ایک موٹے پائپ کی طرف ہماری توجہ منعطف کرائی۔ جسکا محل وقوع میرے خیال میں بیکار تھا۔ لیکن نہ معلوم کیوں شمیم نے اسکو بہت اہمیت دی۔ یعنی اس نے زبان سے بغیر ایک لفظ بتائے اپنی فیلٹ

نے شمیم ایک گول گول ہوئے پائپ میں ٹھونس دی۔ اس کے بعد میری ترکی ٹوپی بھی اسی پائپ داخل کر کے رومال سے اس کے منہ کو کس دیا۔

میں جانتا تھا۔ کہ اس کا کوئی کام فضول نہیں ہوتا۔ اسلئے ناقابل فہم ہونے کے باوجود مجھکو یقین تھا۔ کہ پائپ کوئی نہ کوئی اہمیت ضرور رکھتا ہے۔ حالانکہ تاریخ عشرت محل دروازہ کے مانند اس کا حال بتانے سے بھی قاصر تھی۔

پریم شاید اس غیر معمولی احتیاط کو بھی لایعنی سمجھکر مسکرا دیتی لیکن ایک مرتبہ شرمندہ ہونے کے بعد غالبًا اسکو جرات نہ ہوسکی۔ یا شاید اب وہ بھی شمیم کی خدا داد ذہانت کی معترف ہوچکی تھی۔

بتدریج بلندی پر چڑھتے ہوئے ہم تقریبًا نصف فرلانگ چلکر ایک بڑے مضبوط لکڑی اور فولاد سے مشترکہ بنے ہوئے دروازہ پر پہنچے۔ بٹن دبانے سے آہنی دروازہ تھیٹر کے تبدیل ہو جانے والے منظر کے مانند اپنے محور پر گھوم کر دیوار میں غائب ہوگیا۔

شگاف نما دروازہ سے ہم عشرت محل میں داخل ہوتے۔ اور کمرہ در کمرہ ہوتے ہوئے ہم اس خاص کمرے کی طرف جانا چاہتے تھے۔ جہاں ٹوٹے ہوئے سکہ کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ کہ راہ میں ایک نئی آفت پیش آئی۔

ایک عظیم الشان آراستہ کمرے میں جو ہماری راہ میں حائل تھا۔ ایک ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ شمیم نے دروازے میں لگے ہوئے جدید فیشن کے قفل میں سے جو اندر باہر دونوں جانب سے کھل جاتے ہیں۔ جھانک کر دیکھا کوئی شخص ہماری طرف پشت کئے کمرے کے وسط میں بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن

کی مرمت کر رہا تھا۔ چند قالین لپٹے ہوئے اس کے قریب رکھے ہوئے تھے۔ شاید وہ بھی مرمت طلب ہونگے۔ بہرحال نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ کبتک فارغ ہوتا۔ لیکن چونکہ ہمیں عجلت تھی۔ اسلئے انتظار ناقابل برداشت تھا۔ شمیم نے نہایت آہستگی کے ساتھ دروازہ کھولا۔ اور ہمنے کمرہ میں داخل ہونے کے بعد بھی اتنی احتیاط برتی۔ کہ جب تک ہم اسکے سر پر نہ پہنچ گئے۔ وہ ہمسے بے خبر اپنے کام میں مشغول رہا۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی نگاہ اونچی کرتا۔ تو سامنے لگے ہوئے قد آدم آئینہ میں ہماری نقل و حرکت صاف نظر آجاتی ہے۔

لیکن قدرت ہمپر مہربان تھی۔ جیسے ہی وہ چونکا۔ شمیم نے اپنی بے پناہ گرفت میں لیکر بے قابو کر دیا۔ ششدر کر دینے والے حالات اور یکایک نازل ہونے والی مصیبت سے خائف ہوکر اسنے چیخ ماری۔ لیکن دوسرے لمحہ میں شمیم نے اسکو ریشمی ڈوری سے جو غالباً ہر نازک موقعہ پر اسکی جیب میں موجود رہتی ہوگی کس کر اور منہ پر رومال باندھکر اسی مرمت شدہ قالین میں اسے لپیٹ دیا۔

کمرے کے برابر پیروں کی ہلکی چاپ محسوس ہوئی۔ غالباً چیخ کی آواز سنکر کوئی امداد کو آرہا تھا۔ قالین میں لپٹی ہوئی زندہ لاش کو ان قالینوں کے برابر رکھکر جو وہیں لپٹے ہوئے رکھے تھے۔ شمیم ہم دونوں سمیت پیش نگاہ دروازے کے آگے پڑے ہوئے ریشمی پردے کے پیچھے روپوش ہوگیا۔

حبشی غلام نے اندر داخل ہوکر کمرے میں ایک متجسس نگاہ ڈالی لیکن اسکو وہاں کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ حالانکہ ریشمی پردے کی اوٹ میں ہم تینوں موجود تھے۔ اور ایرانی قالین میں لپٹا ہوا بے بس رفوگر اس کے قدموں

پاس ہی پڑا ہوا تھا۔

اسے شاید اپنی قوت سماعت پر شک ہوا کیونکہ وہ مطمئن ہو کر کمرے سے رخصت ہو رہا تھا۔ اسکے خیال میں قالین اب بھی اسی حالت میں تھے جس طرح وہ علی الصبح لپیٹے ہوئے رکھے تھے۔ اور یا شاید یہ سمجھا کہ رفوگر ——— بازار سے اون خریدنے یا کہیں کسی دوسرے ضروری کام کو چلا گیا ہوگا۔ ———

یا ممکن ہے۔ کہ ایک ایسے عظیم الشان محل میں وہ رفوگر کی موجودگی سے سرے ہی سے بے خبر ہو۔ بہر حال وہ چلا گیا اور ہم اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہوئے۔ بغیر کسی دقت کے ہمنے اپنی مطلوبہ چیز یعنی سکہ پاسے کے نیچے اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ شمیم نے اٹھا کر اسے جیب میں ڈال لیا۔ اور ہم فوراً واپس ہوئے۔

دہانہ کے پاس عشرت محل میں دوبارہ ہمنے کسی کی چاپ سنی۔ شاید کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا۔ شمیم نے سرنگ میں داخل ہو کر حسب سابق دہانہ بند کرکے دروازہ کو مقفل کر دیا۔ تاکہ تعاقب کنندہ ہم تک نہ پہنچ سکے۔

ہمارے چند قدم چلنے کے بعد وہ دہانہ تک پہنچ گئے۔ کیونکہ مقفل ہونے کی وجہ سے دروازہ کو اندر سے توڑنے کی آوازیں ہمارے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔

انکو اپنی کوشش میں منہمک چھوڑ کر ہم تیز روی سے واپس ہوئے لیکن حیرت و سراسیمگی سے میرے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ کیا دیکھتا ہوں

کہ عشرت محل کا ایک نقاب پوش شمیم کی ہیٹ اور میری تنکی ٹوپی جو تُل ٹھونسنے کیوجہ سے پانی میں شرابور تھی ہاتھ میں لئے فاتحانہ انداز سے قہقہہ لگاتا ہوا۔ ہماری طرف چلا آرہا ہے۔

اور سامنے وہ فولادی دروازہ جسے ہم کھلا چھوڑ گئے تھے اب بند تھا اور پائپ کا منہ کھول دینے کیوجہ سے پانی موٹی دھار میں بہہ کر دروازہ کے قریب کافی مقدار میں جمع ہو چکا تھا۔ اور وہاں کی نشیبی زمین ایک معمولی تالاب کی صورت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ لیکن پانی ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اور نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہ تھوڑی۔ دیر میں وہ کتنی خطرناک صورت اختیار کر لیگا۔

نقاب پوش اب ہمارے بالکل قریب آچکا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا۔ کہ اسوقت ہمیں کیا کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن میرے اسقدر سراسیمہ ہو جانے کے باوجود شمیم و پریم شاید اسلئے متفکر نہ تھے۔ کہ وہ ایک تھا۔ اور ہم تین۔ لیکن اسوقت غالباً انھوں نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ جو ہمیں اپنے میں غرق کر لینے کے لئے سرعت کیساتھ ہماری طرف بڑھ رہا تھا! کیونکہ وہ اس سے بے پرواہ ہو کر نقاب پوش کی طرف متوجہ ہوئے اُسنے ہمارے قریب پہنچکر میان سے خنجر نکالا اور بجلی کی طرح شمیم پر جھپٹا۔

مشہور تھا۔ کہ شمیم حیرتناک ماحول میں زندگی بسر کرنے اور قتل خون کرنے والے رہزنوں سے سابقہ پڑنے کے باوجود کسی شمع ہستی کو گل کرنے سے پرہیز کرتا تھا۔ حتیٰ کہ خود اپنی موت و زندگی کا سوال نہ پیش ہو جائے۔ اس لئے اسنے دندان شکن جواب دینے کی بجائے جوابی پینتروں اور معمولی دا

حرکتوں سے چھ دیا الجھا کر حریف کو تھکا دینا چاہا۔
اپنے شہرہ آفاق اصول کے مطابق اسوقت بھی گو شیم اپنے خنجر کو حریف کے خون میں رنگنا پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن موقعہ کی نزاکت بڑھتی جا رہی تھی۔ پانی تیزی کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ دروازے پر جو زیادہ نشیب میں واقع تھا۔ تقریباً تین فٹ پانی کھڑا ہو چکا تھا۔ اور بتدریج بڑھ رہا تھا۔ حالانکہ ہم دروازہ کی نشیبی زمین کی بہ نسبت کم از کم ساڑھے تین فٹ اونچی زمین پر کھڑے ہوئے تھے لیکن اگر تاخیر کیجاتی۔ تو یقیناً تھوڑی دیر میں پانی یہاں بھی پہنچ جاتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تعاقب کنندہ دروازہ توڑ کر ہم تک آجاتے۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مجبور ہو کر شیم نے اس مدافعانہ جنگ کو ختم کرنے کے لئے ذرا پھرتی اختیار کی۔ چشم زدن میں اسکا خنجر نقاب پوش کے پہلو میں قبضہ تک گھس گیا ناکام حریف کے قدم لڑکھڑائے۔ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ ہی اسکی نقاب چہرہ سے سرک گئی۔ پریم نے متعجب ہو کر چیخ ماری وہ ساوتری کی عصمت خراب کرنے کے جرم میں شہر بدر کیا ہوا انسپکٹر تھا۔ قدم لڑکھڑانے کے باوجود اس دیو پیکر انسان نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ مگر ملک الموت نے مہلت نہ دی۔ تمام سرنگ کو ہلا دینے والے دھماکے کیساتھ وہ گرا اور ختم ہو گیا وہ جو کبھی دوسروں کی عصمت خراب کرنی گناہ نہ سمجھتا تھا۔ اور اسوقت ایک منٹ پہلے اپنی قوت جسمانی اور سیف زنی پہ نازاں تھا۔ اب اپنی عادت سے بے خبر اپنے پیدا کردہ چھوٹے سے سمندر کے ساحل پہ بے گور و کفن میٹھی نیند سو رہا تھا۔ اور پائپ سے اسی کا جاری کیا ہوا پانی ہمارے ہمراہ خود اس کی

لاش کو بھی اپنے میں غرق کر لینے کے لئے تیزی سے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

شمیم نے حسرت و افسوس سے اسکی لاش کو دیکھا۔ اور پھر اس بحری قبر سے نکلنے کے لئے تیزی سے دروانہ کیجانب دوڑا۔ کیونکہ یہاں سے کچھ دور ــــــــــــــــــــ دھانہ کے دروازے کو ہتھوڑوں سے توڑنے کی کوشش کیجا رہی تھی۔ گو دروازہ بیحد مضبوط تہا لیکن دشمن کے جوشیلے حلے سے یقین تھا۔ کہ وہ کچھ دیر میں اسکو توڑ کر پھینک دیں گے۔

چند سیکنڈ بعد ہمارا خیال صحیح ثابت ہوا۔ وہ غالباً دروازے میں چھوٹا سا سوراخ بنا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کیونکہ ٹورچ کی روشنی کسی دکھیاری بے چین آنکھ کے مانند جو ظلمت میں کسیکو ڈھونڈتی پھرتی ہو۔ درز سے خارج ہو کر کبھی زمین پر اور کبھی دیواروں پر روشنی ڈالتی اور پھر ادھر اُدھر ہٹکر غائب ہو جاتی تھی۔ شاید وہ ہماری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔

اس وقت ہم ساڑھے تین یا چار فٹ پانی میں کھڑے ہوتے فولادی دروازے کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر کار شمیم کی لگائی ہوئی کنجی فولادی قفل میں صیحح بیٹھ جانے سے دروازہ کھل گیا۔

دروازہ کھلتے ہی جمع شدہ پانی پر شور آوازسے بہنے لگا۔ اور ہم پانی میں شرابور سرنگ کے دھانے کیجانب دوڑے۔ کیونکہ سرنگ کو زیر و زبر کر دینے والے دھماکے نے ہمکو بتادیا تھا۔ کہ دروازہ ٹوٹ کر گر چکا۔ اور دشمن ہمارے سر پر آ رہا ہے۔

ہم سرنگ کے دہانے کی طرف تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ کہ ایک چونکا دینے والی آواز نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہمارے چند قدم پیچھے ایک فولادی دیوار نے جو اس سے پہلے غالباً چھت میں پنہاں تھی۔ لرزہ پیدا کرنے والی آواز سے نیچے گر کر سرنگ کا وہ راستہ بند کر دیا جس سے گذر کر ہم آ رہے تھے۔

ہمیں اسیر کرنے کے لئے عشرت محل کے مکینوں کی طرف سے یہ ایک نہ خطا کرنے والا پراسرار حربہ تھا۔ جو کسی بٹن کے دبانے سے نیچے گر پڑا۔ لیکن جو کام انکو اس سے پہلے کرنا چاہئے تھا۔ وہ خوش قسمتی سے دو سیکنڈ بعد کیا گیا۔ اگر وہ فولاد کی موٹی دیوار ذرا پہلے گر کر چھت سے زمین تک پیوست ہو جاتی تو ہمارا راستہ مسدود ہو جاتا۔ اور ساتھ ہی کیا ہماری زندگی کا پیمانہ بھی لبریز نہ ہو چکا ہوتا؟

ہماری ہلاکت کے لئے پیدا کیا ہوا سامان ہمارے واسطے باعث رحمت ثابت ہوا۔ کیونکہ ہم وہاں سے چند قدم آگے آکر اس کی زد سے صاف بچ چکے تھے اور دشمن جان حریف اپنے پیدا کردہ سامان ہلاکت میں خود اسیر ہو گیا تھا۔

ہمنے پلٹ کر اسکو دیکھنے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا۔ بلکہ فوراً دہانے کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں دو نقاب پوش کسی پراسرار دروازے کو بند کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ شاید کشن با[illegible] تک [illegible] دروازے کے وجود سے لاعلم تھی۔ لیکن پھر وہ کونسا ایسا راستہ تھا؟ جسکو وہ ان کی آمدورفت کا ذریعہ قرار دے سکیں۔ شاید وہ پوشیدہ راستہ جہاں دیوا۔

پر طرہ یامتی کا ایسا × نشان بنا ہوا تھا۔ غیر مطبوعہ تاریخ سے ظاہر ہو چکا تھا۔ کہ وہ راستہ سرنگ کے کسی دوسرے دہانہ کو جاتا تھا۔

دونوں نقاب پوش ہماری مدافعت کے لئے کافی نہ ہو سکے۔ بغیر زحمت برداشت کئے ہم نے انکو زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد جھاڑیوں میں چھپی ہوئی اپنی موٹر تک پہنچ جانا ہمارے لئے بالکل سہل تھا۔

ہماری روانگی کے بعد موٹر کی پشت پر فائر کئے گئے ——— معلوم ہوتا ہے۔ کہ عشرت محل کے تعاقب کنندہ شکست خوردہ نقاب پوشوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ لیکن چونکہ تعاقب کے لئے ان کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اسلئے ہماری تیز رفتار موٹر کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔

جس وقت ہم قیصر پیلس میں داخل ہوئے قریب ہی لگا ہوا شہر کی فصیل کا بڑا گھنٹہ گیارہ بجا رہا تھا۔

غنیم کے وعدہ کے مطابق گیارہ کے آخری گجر پر ہم کھانے کی میز پر پہنچ چکے تھے۔ جہاں غنیم کی مطلوبہ چیزیں لئے ہوئے قیصر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

# دسواں باب (۱۰)

## دامِ فریب

پریم تو شمیم کی محیر العقول سراغرسانی خود اپنی نظر سے دیکھ ہی چکی تھی لیکن قیصر کہ ابھی تک کسی نے اپنی آنکھ سے اسکے کارہائے نمایاں نہ دیکھے تھے جب وعدہ مقررہ وقت پر کامیاب واپس آنے پر متعجب تھا اور اسکے چہرہ پر عقیدت کی ایک جھلک نمایاں نظر آتی تھی۔

پریم نے شمیم کے الفاظ بعینہ پورے کرنے کے لئے طلائی ٹکڑہ قیصر کی جیب میں ڈالدیا چونکہ شمیم نے کہا تھا کہ آج نصف النہار سے قبل سنہ کا چرایا ہوا ٹکڑہ عشرت محل کی بجائے قیصر کی جیب میں پڑا ہوا ہوگا۔

شمیم۔ لیجئے عشرت محل کے متعلق اس عجیب تحریر کو کسی نہایت محفوظ مقام پر پوشیدہ کر دیجئے بلکہ بہتر ہے کہ اسکو نذر آتش کر دیا جائے۔ ورنہ یقین ہے۔ کہ فائدہ کی بجائے آئندہ اس کا وجود ہمارے لئے خطرہ کا موجب ہوگا۔

قیصر۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمکو اس قدر فائدہ پہنچانے والی چیز آئندہ خطرناک کیوں ثابت ہوگی۔ جبکہ ابھی ابھی اس نے ہماری صحیح رہنمائی کرکے ہمکو کامیابی سے ہم آغوش کیا ہے۔

شمیم۔ (لاپرواہی سے) خیر بہت جلد وہ وقت آئیگا کہ آپ میرے ان فقروں

گویا کرینگے۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے۔ کہ اسکے ساتھ ہی اُن نادر رولا جواہر ہیرون کو بھی کسی پوشیدہ جگہ محفوظ کر دیا جائے جنکے متعلق بہرام کی نذر کرنے کے لیے نرائن نے وعدہ کیا ہے۔

قیصر نے اس کی مہم باتوں کو مہمل خیال کرنے کے باوجود سر تسلیم خم کیا۔ اور گفتگو کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔

"کیا کاشن کے متعلق کی ہوئی دوسری پیشین گوئی کا بھی آپکو یقین کامل ہے۔ کہ وہ اسی طرح پوری ہوگی؟"

شمیم۔ میں کبھی کوئی بات فضول نہیں کہا کرتا۔

قیصر۔ اپنی پہلی پیشین گوئی کے متعلق آپ نے حیرت انگیز تدبیر کا ثبوت دیا ہے حیران ہوں کہ اس عظیم الشان کامیابی پر آپکو کن الفاظ میں مبارکباد دوں لیکن اس دوسری پیشین گوئی کے متعلق تو ہمیں ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ ہماری منزل مقصود ہم سے کتنی دور اور کس سمت واقع ہے۔

شمیم۔ سمت تو میں اپنی آمد کی پہلی شب ہی معلوم کر چکا تھا۔ اور جبکہ سراغ کے لیے ہمارے پاس اسقدر کافی مواد موجود ہے۔ در مقصود تک پہنچ جانا نہایت سہل ہے۔

قیصر۔ (متعجب ہوکر) آمد کی پہلی شب آپ کسطرح صحیح سراغ پا سکتے ہیں جبکہ آپ یہاں بالکل نووارد اور انجان تھے اور اس شب میرے علاوہ آپنے کسی دوسرے شخص سے بات بھی نہیں کی۔ کہ میں اسکو سراغ رسانی کا ذریعہ سمجھوں۔

شمیم۔ پوچھنے سے ہی معلومات میں اضافہ نہیں ہوا کرتا بلکہ واقعات بھی

خود ہمکو صحیح راہ پر ڈال دیتے ہیں چنانچہ آپ خود اور آپ کا تعاقب کنندہ نرائن صحیح معلومات کا ذریعہ ہیں۔ اگر آپ کو پہنچی ہوئی اطلاع غلط ہوتی اور نرائن نے کرشن کو کسی دوسری سمت قید کیا ہوتا۔ تو وہ آپ کو غلط راہ پر بھٹکنے دیتا۔ لیکن صحیح سراغ پر چلنے کیوجہ سے وہ خاموش نہ بیٹھ سکا۔

قیصر۔ آپکی بے مثل قابلیت ہی نہیں بلکہ بنظر عقیدت آپ کی روشن ضمیری پر میں آپکو دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ ایک نہایت معمولی واقعہ سے بھی آپ بڑے بڑے نتائج اخذ کر سکتے ہیں لیکن یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی ہمارے لئے اس زندان کا پتہ معلوم کرنا آسان نہیں جہاں مظلوم کرشن ہوش و سلاسل کے مصائب برداشت کر رہا ہے۔

شمیم۔ واقعات اتنے حوصلہ شکن نہیں جسقدر آپ ہمت ہار رہے دیتے ہیں بلکہ حالات خود ہماری رہنمائی کرتے ہوئے منزل مقصود کے نزدیک پہنچا چکے ہیں۔ صرف ذرا سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ پھر یہ قوت ہمکو خود بخود زندان کے دروازے پر لیجا کر کھڑا کر دیگی۔

قیصر۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن نہ معلوم کیوں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ کہ ہم اسقدر آسانی سے کامیاب ہو سکیں گے۔

شمیم۔ سنئے اگر کرشن تک پہنچنا تو نہایت سہل ہے اگر آپ ذرا بھی زور دیتے۔ تو سب سے پہلے کرشن آزاد ہو جاتا ——————

—————— کیا آپ کو وہ جگہ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں جہاں اس شب کو نرائن نے سلیم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا

قیصر۔ بخوبی یاد ہے۔

شمیم۔ تو کیا میرا یہ خیال صحیح ہے؟ کہ وہ جگہ ریاست کھنیڑی کی سرحد پر واقع ہے۔ اور وہاں سے نصف میل ادہر غیر علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو عقل تسلیم کرسکتی ہے؟ کہ نرائن کرشن کو کسی غیر علاقہ میں مقید کرنے کی جرأت کرسکے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ اسکو وہیں رکھ سکتا ہے جہاں کچھ نہ کچھ اسکا اثر واقتدار موجود ہو۔

پریم لتا۔ میں اور خود قیصر اسکے فہم وادراک اور مدلل ثبوت پر لاجواب ہوگئے۔ حقیقتاً نرائن اپنے زیرنگیں علاقہ کی بجائے دوسری غیر حدود میں اسقدر سنگین جرم کا ارتکاب ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ اسلئے پیش نظر واقعہ بڑی حد تک سلجھ گیا۔ کہ کرشن ریاست کی سرحد کے قریب ہی کسی جگہ قید کیا گیا ہے۔ لیکن وہ خاص جگہ کونسی ہے۔؟ اسکے متعلق ابھی ہمیں کچھ علم نہ تھا۔

قیصر۔ شاید وہ بلسانہ میں قید کیا گیا ہو۔ جہاں کے باشندے اس رات ہماری امداد کو آئے تھے۔

شمیم۔ غالباً وہ گاؤں بھی نہایت قلیل آبادی پر مشتمل ہے جہاں پوشیدہ طور پر کسیکو مقید رکھنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ اس کو کسی ویران اور بالکل غیر آباد جگہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ جہاں کسی متنفس کا گذر نہو۔ کیونکہ نرائن پبلک کے رجحان اور اسکے بڑھتے ہوئے جوش سے خائف ہوکر کرشن کو کسی پوشیدہ جگہ ہی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ بہرحال میں نے سٹرپٹر کو آج صبح مذکورہ گاؤں اور قرب وجوار کے حالات

معلوم کرنے کے لئے بھیجدیا ہے۔ اوراب شاید وہ آتا ہی ہوگا۔
شمیم کا جملہ ابھی نا تمام ہی تھا۔ کہ کمرہ کا دروازہ کھلا۔ اور سٹرپٹر مسکراتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا۔

سٹرپٹر پندرہ سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن چینی ترکستان کو خیرباد کہکر مشہور کرتب باز رام چینا مورتی کے ہمراہ ہندوستان چلا آیا تھا کچھ عرصہ وہ اسکے ساتھ سرکس اور مختلف نمایش گاہوں میں اپنے بے مثل ہنر اور جسمانی کرتب دکھاتا رہا لیکن سرکس کے اغواشدہ چیتے کی تلاش میں شمیم کی عدیم المثال سراغرسانی دیکھکر اسکو جاسوسی کا شوق چرایا۔ اور رہنت شمیم کا شاگرد ہوا۔ اسکا قد موزوں۔ ہاتھ پیر نہایت مضبوط رنگ نکھرا ہوا اور آنکھیں چمکدار تھیں۔ جب وہ شمیم کا شاگرد ہوا تو ہندوستانی طرز معاشرت کے علاوہ یہاں کی زبان سے بھی کچھ یونہیں سا واقف تھا۔ اور گو جاسوسی کا دلدادہ تھا۔ لیکن اسکے باوجود ناواقفیت کی بنا پر ہر کام سٹرپٹر انجام دیتا تھا۔ اسی ہی لیے ازراہ تمسخر لوگ اسکو سٹرپٹر کہتے تھے۔

حالانکہ اب چار پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد وہ فن جاسوسی کے متعلق بہت کچھ جان گیا تھا۔ اور اگلی سی بدحواسیاں اب اس سے ظہور میں نہ آتی تھیں۔ لیکن اسکے باوجود اسکا یہ نام کچھ اسقدر مقبول ہوا کہ شمیم اور ہر خاص وعام کے علاوہ سرکاری کاغذات اور تمام اخبارات میں بھی ہر جگہ اسکو اسی عجیب وغریب نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اُسنے مسکراتے ہوئے ہمپر سرسری نظر ڈالی

اور شمیم کو مودبانہ سلام کرکے اسکو بتایا کہ قصبہ کا نام بلسانہ ہے۔ جہاں کے
تمام باشندوں کو جنت نصیب مہاراج بلونت سنگھ اور ان کے پسر
اکبر کرشن سے خاص عقیدت ہے اور نرائن کی نفرت آمیز روش کو حد
درجہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہاں سے دور
——— آٹھ میل دور ریاست کی حدود کے
اندر شمالی جانب خوفناک صحرا ہیں جہاں درندوں کا مسکن ہے۔ ندی کے
اس پار بادشاہان سلف کی یادگار ایک پرانا اور بوسیدہ قلعہ ہے۔ اسکے
علاوہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ ریاست کے اس حصہ میں
اور کوئی موزوں مقام موجود نہیں۔
شمیم۔ مسٹر قیصر سلسلے کی کڑیاں ملتی جا رہی ہیں۔ اور کامیابی یقینی ہے۔ ہمکو
بغیر ایک لمحہ ضائع کئے اس بوسیدہ قلعہ کی طرف چلنا چاہیے
پانچ بندوقیں موٹر کے مخملی گدوں کے نیچے رکھکر اور کھانا شوفر کے حوالے
کرکے یعنی شمیم کی مطلوبہ چیزوں کے ساتھ وہ خود پریم۔ قیصر۔ سٹرپٹر اور
میں منزل مقصود کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔
قصبہ بلسانہ میں ہمارا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اور وہاں کے باشندے
ہمارے لئے خضر راہ ثابت ہوئے۔ انہوں نے ہمکو بتایا۔ کہ آگے جنگل میں
بے شمار خاردار درخت اور نہایت دشوار گذار راستہ ہے۔ جہاں موٹر
لیجانا ناممکن ہے۔
کوشش کے باوجود قرب وجوار میں سواری کیلئے گھوڑے دستیاب

نہو سکے۔ دارالحکومت واپس جانا یا بلسانہ میں گھوڑوں کے انتظار میں وقت ضائع کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ وقت نہایت سرعت کیساتھ گذر رہا تھا۔ اور کل کا دن اپنے ساتھ پراسرار بہرام اور اسکے ہمراہ اور نامعلوم کیا کیا پیچیدہ اسرار لیے ہوئے سر پر آ رہا تھا۔

روانگی کے متعلق شمیم کے پے در پے اور شدید تقاضوں کے باوجود قیصر کچھ دیر اور گھوڑوں کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہم سب کے خیال میں یہ امر موہوم تھا۔ بالآخر قیصر کو ایک گھنٹہ کی مہلت دیدی گئی۔ کہ اگر گھوڑے دستیاب ہو جائیں۔ تو فبہا ورنہ ایک گھنٹہ بعد دیہاتیوں کے ہمراہ مطلوبہ چیزیں لیکر پا پیادہ جنگل میں آملیں۔ اس گھنٹہ میں ہمارا ارادہ تھا کہ آہستہ آہستہ چلتے اس دشوار گذار صحرا کو طے کرینگے۔

چلنے کو تو ہم چل دیے۔ لیکن رستہ حقیقتاً ناقابل گذر تھا جگہ بجگہ گھن دار جھاڑیوں کی شاخیں زمین پر پھیل کر ایک دوسرے سے اس طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ کہ انکو ہٹا کر راہ نکالنا سخت دشوار کام تھا۔ اور قریب قریب لگے ہوئے درختوں کی لاانتہا شاخیں بلندی پر پہنچکر کچھ اس طرح گتھ گئی تھیں۔ کہ روشن اور تابناک سورج کی کوئی کوئی کرن کہیں نظر پڑ جاتی تھی۔ ورنہ اندھیرا ــــــــــــــ سخت گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔

قیصر نے بلسانہ میں کچھ زیادہ انتظار نہیں کیا۔ بلکہ بہت جلد ناامید ہو کر وہ ہمسے آملا۔ اور اب وہ بھی ہماری مصیبت میں برابر کا شریک تھا۔ کچھ کی دیر

میں ہمارے مانند وہ بھی حد درجہ پریشان نظر آنے لگا۔ لیکن پریم کی بہادر
ہمت کا کن الفاظ میں ذکر کروں کہ تمام راستہ نہ اس نے منہ سے اُف کی
اور نہ اس کے چہرہ پر پریشانی کی کوئی ادنیٰ جھلک نظر آئی۔

سٹریٹر ہم سب سے آگے پیوست جھاڑیوں اور خاردار ٹہنیوں میں اپنے
مضبوط ہاتھوں سے ہمارے لئے راستہ بناتا جاتا تھا۔ اسکے تمام ہاتھ کانٹوں
کیوجہ سے لہولہان ہو گئے تھے۔ لیکن اسکے باوجود اس کی حالت ہم سب
سے بہتر تھی۔

ابھی ندی تک پہنچنے کیلئے ہمیں کافی راستہ طے کرنا تھا۔ کہ کہیں قریب
ہی سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی۔ پریم شمیم اور میں نے بندوقیں لینے
کے لئے بیک وقت قیصر کے ہمراہی رفیقوں کی طرف دیکھا۔ لیکن حیرت
و سراسیمگی سے زمین ہمارے پاؤں کے نیچے سے کھسکتی ہوئی معلوم ہوئی کیا
دیکھتے ہیں، کہ بندوقیں ندارد اور قیصر کے ہمراہی صرف کھانا لئے ہوئے
ہمارے پیچھے پیچھے ہیں۔ اُف کسقدر خوفناک وقت تھا۔ کہ بندوقیں بلسانہ
میں موٹر کے گدّوں کے نیچے بیکار پڑی ہوئی تھیں اور شیر ہمیں کہیں قریب
ہی دہاڑ رہا تھا۔ گو سٹریٹر کے پاس ایک پستول موجود تھا۔ لیکن شیر
کی مدافعت کے لئے وہ ایک بیکار چیز تھی۔

چاہا۔ کہ بندوقیں لینے کیلئے واپس ہوں۔ لیکن وقت کم اور بلسانہ
یہاں سے دور واقع تھا۔ بلسانہ سے دوبارہ واپس آکر شام سے پہلے
اس قلعہ تک پہنچنا ناممکن تھا۔ مجبوراً بندوقوں کا خیال ترک کرنا پڑا۔

جیر سمجھ اس پر حضر راہ ہو گیا۔ شکر ہے۔ کہ شیر نے ہماری بو نہ پائی۔ یا شاید کسی اور وجہ سے ہم تک نہ آیا۔ بہر حال ۴ بجے ہم ندی کے کنارے پہنچے۔ لیکن نہایت مضمحل اور بیحد تھک جانے کے باعث وہ ذرا کی ذرا وہاں ٹھیر گئے۔ لیکن میں شوق تجسس کے سبب بغیر دم لئے یا کچھ انتظار کئے تنہا ندی کو عبور کر کے قلعہ کے نزدیک پہنچا۔

نمعلوم وہ کئے سو یا کئے ہزار برس پہلے تعمیر کیا گیا ہو گا۔ کہ حد درجہ بوسیدہ تھا۔ دیواریں جگہ بجگہ ٹوٹی ہوئی اور طرز تعمیر بھی کچھ عجیب سا جو آجکل کہیں نہیں پایا جاتا۔ نیچے کا حصہ غیر آباد اور سنسان۔ اوپر جانے کے لئے ۲۰-۲۵ سیڑھیوں کا راستہ جو حد درجہ خراب اور گہی ہوئی تھیں۔ لیکن بناوٹ کے لحاظ سے عجیب غریب تھیں۔ یعنی ہر پانچ سیڑھیوں کے بعد کوئی چھ گز مربع جگہ بنائی گئی تھی۔ جسپر اینٹ اور چونے کی گنبد نما چھت پٹی ہوئی تھی۔ اس طرح چھ مربع سیڑھیوں پر چھ عجیب ساخت کے گنبد تھے۔ جنکو ایک خراب خستہ بھاری چھت نے آپس میں ملحق کر دیا تھا جو تمام معمولی چھوٹی سیڑھیوں پر ان گنبدوں کے ساتھ بنائی گئی تھی۔ اس چھت سمیت تمام گنبدوں کی حالت حد درجہ نازک تھی ——— ایسی نازک کہ ہلکا سا زلزلہ اسکو تو وہ خاک کی صورت میں منتقل کرنے کے لئے کافی تھا مگر میں متعجب تھا۔ کہ گردش افلاک کے ہاتھوں وہ ابتک کیوں نہ برباد ہو گئے حالانکہ ان کے نیچے لگے ہوئے تقریباً تمام ستون نکل گئے تھے۔ اور جو کہیں ایک دو موجود بھی تھے۔ تو وہ نہونے کے برابر کیونکہ اسقدر لمبی اور

ڈھلواں چھت کے بوجھ کو سہارنے کے لئے دو چار ستون نقی کے برابر بنے ہیں
سیڑھیاں ختم کر کے صحن میں پہنچنے کے بعد مجھے اسے اپنی موجودہ صورت
میں برقرار رہنے کی وجہ معلوم ہوئی۔ آخری گنبد کے اوپر پیپل کا ایک بڑا درخت
تھا۔ جس کی موٹی موٹی جڑوں نے چھت اور گنبدوں کے اندر ہی اندر پھیل کر
انہیں نیچے سے اوپر تک اپنی طرف کھینچا ہوا تھا۔ اگر اس پیپل کو کاٹ دیا جاتا۔
یہ بوسیدہ اور بھاری چھت فوراً گر کر قلعہ کی اس راہ کو مسدود کر دیتی جس سے
گذر کر میں ابھی اوپر آیا تھا۔

زیریں حصہ کی بہ نسبت قلعہ کا یہ بالائی حصہ کچھ بہتر تھا۔ مگر اسی طرح بالکل
غیر آباد اور سنسان معلوم ہوتا تھا۔ کہ عرصہ دراز سے کسی انسان کے قدم یہاں
نہیں آئے۔ لیکن صحن میں ایک طرف تین چار جدید کمروں کا خوبصورت مگر مختصر
سا سلسلہ تھا۔ میں نے شوق تجسس میں سب سے پہلے اسی طرف رخ کیا۔ اور اندر
داخل ہونے کے لئے پہلے ہی دروازے کے بند کواڑوں کو غائر نظر سے دیکھا لیکن
مجھے بےحد حیرت ہوئی کہ ہاتھ کے ہلکے دباؤ سے کواڑ چوپٹ کھل گئے۔ دروازہ
میں کھڑے ہو کر میں نے اندر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اس مختصر سے کمرہ کی آرائش
میں غیر معمولی اہتمام سے کام لیا گیا تھا۔ دیواروں پر طرز جدید کے علاوہ زمانہ
قدیم کے وحشی قوموں کے عجیب غریب ہتھیار اور بہت سی عجیب و غریب دلکش
چیزیں آویزاں تھیں۔ زمین پر بیش بہا ترکی قالین بچھا ہوا تھا۔ اور اس پر مکلف
کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

اس خیال سے کہ کرشن ان ہی کمروں میں سے کسی ایک میں مقید ہوگا

میں مسکراتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا۔ لیکن جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم
...ری مسکراہٹ دہشت میں تبدیل ہو گئی۔ اور میں سراسیمہ ہو کر اپنی جگہ
بت بنکر رہ گیا کیا دیکھتا ہوں۔ کمرہ کے شمال مشرقی گوشہ میں بچھی ہوئی کرسی پر
پچکے ہوئے رخساروں اور لمبوترے چہرہ کا ایک آدمی بیٹھا ہوا مجھے گھور رہا
ہے۔ اسکے سر پر سیاہ و سفید بال تھے اور آنکھیں اندر کو دھسی ہوئی تھیں۔
ایک نفرت آمیز اور پراسرار تبسم اسکے ہونٹوں پر پیدا ہوا۔ لیکن پھر اسنے
فوراً ہی میری طرف بڑھتے ہوئے کسی قدر شیریں آواز میں کہا۔
خوش آمدید مسٹر سلیم۔ آیئے میں دیر سے آپ کا منتظر تھا۔ مسٹر
نرائن نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی۔ کہ آپ عنقریب یہاں تشریف
ارزانی فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی مجھے اپنے معزز مہمان کی شان شایاں
میزبانی کی تاکید کی تھی۔
میں نے حیرت اور پریشانی سے متاثر ہو کر اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا
کہ یہ عالم خواب تھا یا بیداری کہ قبل از وقت ہماری آمد کی اطلاع اور ہمارے
ارادوں کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی۔
میں۔ لیکن شاید آپ ناواقف ہیں۔ میں کوئی سلیم نہیں ——
—— بلکہ ولیعہد سلطنت کرشن ہوں
میں نے اسکو مغالطہ دینا چاہا لیکن ابھی میری زبان سے پورا جملہ ادا بھی نہ ہوا تھا کہ اس نے
...ک پر زور قہقہہ لگایا کہ تمام کمرہ گونج اٹھا۔ اور میں —— جو دشمن
...ی طاقت سے پہلے ہی کچھ خائف ہو چکا تھا۔ خوف اور جھوٹ کی شرمندگی

سے کچھ کھو سا گیا۔

مردِ نامعلوم۔ (مسکرا کر) ہو سکتا ہے۔ کہ کچھ لوگ مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ لیکن معاف کیجئے ہر وہ آدمی جو سامنے والے مضبوط جیل خانے میں کرشن کو اپنی آنکھوں سے مقید دیکھ رہا ہو ——— آپ کو کرشن تصور نہیں کر سکتا۔

اس کی انگلی کے اشارے کے ساتھ ساتھ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے سامنے دیکھا۔ فولادی سلاخوں کے اندر حقیقتاً کوئی شخص دور اندھیرے میں پڑا ہوا تھا۔

پراسرار آدمی نے دیوار میں لگا ہوا ایک بٹن گھمایا اور ساتھ ہی سامنے جیلخانہ کے دروازہ پر ایک سفید دیوار نما پردہ سا گرتا ہوا نیچے تک آیا اور زمین سے پیوست ہو گیا۔ ایک لمحہ بعد دیوار میں کوئی ایسا معمولی سا نشان بھی نہ رہا جس سے معلوم ہو سکتا۔ کہ دیوار کا یہ حصہ کسی طرح اٹھایا اور گرایا جا سکتا ہے۔

دہشت سے میرا سر چکرانے لگا۔ ٹانگوں میں شرابیوں کے مانند ایک قسم کی لغزش سی پیدا ہو گئی۔

مردِ نامعلوم۔ غالباً اب تو آپ کو اپنی شخصیت سے انکار نہ ہو گا۔ کیونکہ مجھے بہم پہنچائی ہوئی معلومات حقیقت پر مبنی ہیں۔ لیکن گو مجھے آپ کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی ہے۔ مگر آمد کا مدعا نہ معلوم ہو سکا۔ اگر آپ شکاری ہیں تو آپکو مسرت ہونی چاہیے۔ کہ یہاں ہر قسم کا شکار افراط سے ملے گا۔ اگر آپ کو صرف آثارِ قدیمہ سے دلچسپی ہے۔ تو آپ یہاں اعلیٰ ترین چیزیں دیکھیں گے۔ افسوس

آپ کے پاس کیمرہ نہیں ہے۔ ورنہ تصاویر حاصل کرنے میں سہولت ہوتی ——

—— لیکن آپ متفکر نہ ہوئے۔ ہم لوگ حتی الوسع آپ کو ہر قسم کا آرام پہنچانے کی کوشش کرینگے —— اور ہاں میں یہ تو کہنا بھول ہی گیا۔ کہ چائے تیار ہے۔ آپ تشریف رکھیے حاضر کیجائے

میں نے پیچیدہ واقعات اور پراسرار حالات سے متاثر ہو کر آزردگی کیساتھ چائے پینے سے انکار کیا۔ اور برابر پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

**مرد نامعلوم**۔ (اصرار کے لہجہ میں) نہیں نہیں، مسٹر سیٹھ تکلف نہ کریں۔ شرمندہ نہ کیجیے۔ افسوس بیرہ چونکہ آج رخصت پر ہے۔ اسلئے صرف چائے پر اکتفا کرنا پڑا۔ لیکن ملازم بھی بہترین چائے تیار کرتا ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپ اسکو پسند فرمائیں گے۔

اسکے اصرار کے باوجود میں نے مکرر انکار کیا۔ لیکن اس نے گھنٹی بجائی ملازم حاضر ہوا اور اپنے آقا کے فرمان کے بموجب چند لمحہ بعد چائے لیکر کمرے میں دوبارہ آیا۔

مرد نامعلوم نے خوبصورت کیتلی میں سے میرے لئے ایک پیالی تیار کی اور خود چائے پینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اصرار کیا کہ وہ میرے ساتھ شریک ہو۔ لیکن اپنی بیوقوفی کے باعث تنہا پینا پڑی۔ اس نے اور مجھے بری طرح پھنس چائے پر افسردگی اور رنج اتنا غالب تھا۔ کہ ہونٹوں تک اتر گئے اور میں کچھ نہ کہہ سکا۔ مجبوراً میں نے خود ہی چائے پی۔ لیکن ابھی میں نے خالی پیالی کو ہاتھ سے رکھا ہی تھا کہ دفعتاً کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

"یہ کیا" میں نے چونک کر پوچھا۔

مردِ نامعلوم۔ باہر نہایت سرد ہوا چل رہی ہے۔ مضر صحت ہونے کے باعث اس سے اپنے مہمان کو بچانا میرا فرض تھا۔ اسلئے نوکر نے دروازہ بند کردیا۔

اطمینان بخش ہونے کی بجائے اسکے فقروں میں طنز کی جھلک موج تھی۔ جو تیر و نشتر بنکر میرے دل میں اتر گئے

میں نے چاہا کہ اسکے اس مضحکہ خیز طرز گفتگو کا دندان شکن جواب دوں لیکن اپنی بے بسی کے باعث کوئی جواب نہ دیسکا اور ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

# گیارھواں باب (۱۱)

# سائنس کی خون فشانیاں

خدا جانے یہ رنج و غم کا اثر تھا یا چائے میں کوئی نشیلی چیز آمیز تھی کہ میرے سامنے تارے سے ٹوٹنے لگے۔ کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں آنے لگیں اور سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کرسی مجھے لئے ہوئے آہستہ آہستہ تحت الثریٰ میں گر رہی ہے۔ مذکورہ ذیل حالت کے ساتھ ساتھ چہرہ اور خصوصاً پیشانی بیحد گرم ہو گئی۔ آنکھوں میں سے آگ سی نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ دماغ کوہ آتش فشاں معلوم ہونے لگا نقاہت کا عجیب احساس رفتہ رفتہ میرے قویٰ پر غالب آ رہا تھا اور میری حالت غیر ہوتی جاتی تھی۔

**میں۔** آف میرا دم گھٹ رہا ہے۔ خدارا دروازہ جلدی کھولو۔ ورنہ میں یقیناً مر جاؤں گا۔

مذکورہ الفاظ میری زبان سے بالکل مری ہوئی سی آوازمیں نکلے۔ جو خود میرے کانوں کو عجیب معلوم ہوتی۔

**مرد نامعلوم۔** (قہقہہ لگا کر) اگر نادانی سے کوئی شخص خودکشی کرنا چاہے۔ تو ہر ذی عقل شخص اس کو اس مذموم فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا

بحیثیت میزبان میں بھی سرد ہوا سے بچا کر آپ کو موت کے منہ میں جانے سے روک رہا ہوں۔ آپ خود خیال کیجئے۔ آپ کے آرام کے لئے مجھے کتنا اہتمام کرنا پڑا ہے پینے کے لئے کشمیر کی بہترین چائے۔ بیٹھنے کیواسطے نہایت آرام دہ کرسیاں اسکے علاوہ روح کی غذا کیلئے موسیقی کا بندوبست بھی مکمل ہو چکا ہے چند منٹ بعد آپ اس سے حظ اٹھا سکیں گے۔

یہ کہکر اسنے پھر ایک بار تلخ قہقہہ لگایا۔

میں اس کی بدتمیزی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن بولنے کی کوشش بیکار ثابت ہوئی کیونکہ تمام قویٰ ایسے مفلوج ہو گئے تھے۔ کہ نہ زبان ہلی اور نہ ہونٹ حرکت کر سکے۔ جبڑے پتھر کے مانند سخت تھے۔ اپنی اس عجیب و غریب بے بسی پر چاہتا تھا۔ کہ چیخیں ماروں لیکن خواہش کے باوجود بھی میں ایسا کرنے سے معذور تھا۔

یکایک میری پشت کے پیچھے رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی جسکی آواز میرے کانوں میں صاف طور پر سنائی دی۔ لیکن جب میں نے مڑ کر پیچھے دیکھنا چاہا۔ تو میری کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ کیونکہ قوت سماعت صحیح ہونے کیساتھ بینائی کی برقراری اور دماغ کی بیداری کے علاوہ سارا جسم بے حس تھا۔ اور کوئی عضو حرکت کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

میں اس ذی ہوش لیکن بے بس بکری کے مانند پڑا ہوا تھا جسکو ذبح کرنے کے ارادے سے قصاب نے زمین پر پچھاڑ دیا ہو۔

گھنٹی کی آواز پر مرد نا معلوم نے چونکا اٹھا کر پوچھا!۔

کون ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سرکار کے شکر گزار ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اچھا تو سرکار آرہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی ہاں میں حسب ارشاد شکار کی تاک میں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن آپکو شاید مغالطہ ہوا۔ یہاں تو مسٹر سلیم تشریف فرما ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی ہاں آپ ہی کے بتلائے حالات سے معلوم ہوا ورنہ میں تو کشن سمجھکر دیکھ رہا تھا گیا ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ نہیں یقیناً آپکو پہنچائی ہوئی اطلاع غلط ہے ۔ ورنہ سلیم تنہا نہ آتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی نہیں ایک شخص کیلئے گیس کا استعمال فضول ہے اگر وہ سب ہمراہ ہوتے تو البتہ وہی طریقہ استعمال کیا جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بجائے سائنس کے اس نرالے طریقہ کو آپ ہی کیا دنیا تسلیم کریگی ۔ کیونکہ وہ ایک نہ خطا کرنے والا آزمودہ اور مجرب حربہ ہے ۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں اسے ایک بدقسمت شکاری پر آزما چکا ہوں ۔ جو اتفاقاً یہاں آنکلا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی ہاں وہ خاص جائے سپے ہوئے میرے قریب ہی بے دست و پا پڑے ہوئے ہیں ۔ تاکہ سیاہ سانپ اپنے شکار پر باآسانی قابو پاسکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کہکر اس نے ریسور ہاتھ سے رکھدیا۔

اپنی بیکسی اور جان لینے کے اس ہیبتناک طریقہ پر مجھے اپنے جسم کا ذرہ ذرہ خوف سے لرزتا سا معلوم ہوا۔ چاہا کہ یہاں سے نکل بھاگوں ۔ لیکن ٹانگیں گوشت کے دو بے جان لوتھڑے تھے ۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں منوں بوجھ پیدا ہوگیا ہے جسکی

...حالت وحشت سے میں بے ہوش ہوگیا۔
نہیں کہہ سکتا۔ کہ کے منٹ میں بے ہوش رہا۔ لیکن جب دوبارہ مجھے ہوش آیا۔ تو میں کرسی پر صحیح طور سے بیٹھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ میرے دونوں ہاتھ کہنیوں تک آپس میں ایک دوسرے سے پیوست ہوئے میز پر رکھے تھے جن پر میری ٹھوڑی ٹکی ہوئی تھی۔
شاید بے ہوشی کے باعث میں باقاعدہ نہ بیٹھا رہ سکا اور ضعف کے باعث میز پر آرہا۔ لیکن نہیں ———— اگر نقاہت کے سبب ایسا ہوتا۔ تو میز پر میرے ہاتھ موجودہ صورت میں رکھے ہوئے نہ ہوتے۔ یقیناً یہ اسی بدتمیز بدمعاش کی حرکت تھی۔ کہ مصلحت کی بنا پر مجھے میز پر جھکا دیا۔
ایک مرتبہ پھر میں نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن دانت پیوست تھے۔ اور خشک ہونٹوں سے آواز خارج نہ ہوتی تھی۔
میری حالت اس بدنصیب کی سی تھی جس پر درحقیقت سکتہ کا اثر ہو۔ لیکن لوگ اسکو مردہ سمجھکر دفن کرنے کیلئے قبر میں اتار رہے ہوں۔ میری عرق آلود پیشانی اور بیکسی دیکھکر وہ ظالم قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا۔
مسٹر سلیم آپکو اپنی تقدیر اور مسٹر شمیم کو اپنے شوق سراغرسانی پہ ماتم کرنا چاہیے کہ ہمارے کاموں میں دخل انداز ہونے کے باعث اسوقت آپ جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ اور یقین کیجئے کہ آپ کے مشفق ہمدم یعنی مسٹر شمیم بھی عنقریب آپ سے آملیں گے۔

اس نے میری پھٹی ہوئی روشن آنکھوں میں اپنی بھیانک آنکھیں ڈالتے ہوئے سلسلہ تقریر کو جاری رکھا۔

گو آپ بولنے سے قاصر ہیں۔ لیکن میں یقین کرتا ہوں۔ کہ آپ میری اس عجیب و غریب اور بے ضرر طریقہ سے روح قبض کرنے والی ایجاد پر مجھے مبارکباد کا مستحق سمجھتے ہونگے۔ جس کے ذریعہ میں ابھی چند منٹ میں آپ کو آرام سے سلادونگا۔ اور شدید جرم کے باوجود مجھے اپنی گرفتاری یا سزایابی کا ڈر نہیں کیونکہ مردہ قبر میں سے آکر تو گواہی دینے سے رہا۔ مقتول کے جسم پر سانپ کے کاٹنے کے نشان دیکھکر کس کو شبہ ہوسکتا ہے؟ کہ اسکو کسی دوسرے شخص نے قتل کیا ہوگا۔ اور اگر ہو بھی تو پھر اسکا ثبوت ہی کیا ہے۔

یہ کہکر اسنے پھر ایک تلخ قہقہہ لگایا۔

میں نے پھر ایک بار جواب دینے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ قوت سماعت۔ بینائی اور دماغ کو چھوڑکر میرا سارہ جسم مردہ اور بے جان تھا۔

پراسرار مرد نے نوکر سے ایک پٹارہ منگوا کر میز پر رکھوا دیا۔ اور خود سپیروں کے مانند نہایت سست آواز میں بین بجانی شروع کی۔ اور ساتھ ہی پٹارے میں سانپ کی سرسراہٹ معلوم ہوئی۔ اس نے بین کو بدستور منہ سے لگائے ہوئے ایک ہاتھ سے پٹارہ کھولدیا اور خود میز سے کچھ دور ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

خوفناک سیاہ سانپ پٹارے میں کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ پٹارہ کھلتے ہی وہ پھن پھیلائے ہوئے اٹھا۔ اور سحر آمیز نظروں سے میری طرف

ٹھورنے لگا۔

ناقابل بیان خوف کی تھرتھری میرے بے حرکت جسم کے ہر حصہ میں سرایت ہوتی ہوئی پار نکل گئی۔ موت ناگہانی آفت کی شکل میں میرے روبرو تھی۔ اور میں ہر مدافعانہ حرکت کے ناقابل بے بس وبیکس پڑا ہوا تھا۔

وہ ظالم ماہر سائنس بغور مجھے اور سانپ کو تک رہا تھا۔ اور فاتحانہ مسرت کی جھلک اسکے چہرہ پر نمایاں تھی۔ اب بین کی آواز زیادہ دردناک ہوتی جارہی تھی۔ آخرکار سیاہ سانپ جھومتا ہوا میری طرف بڑھا۔

اُف موجودہ بے دست وپائی میں اس مجسم اور یقینی موت سے بچنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا لیکن باقی تمام اعضاء بے حس وحرکت تھے۔

چاقو کی باریک نوک کے مانند کوئی چیز مجھے اپنی پیشانی میں چبھتی ہوئی معلوم ہوئی۔ لیکن اسی اثناء میں کمرہ میں کسی کے داخل ہونے اور پے در پے گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں اور میں شدت کرب سے بیہوش ہوگیا۔

نہیں معلوم کتنی دیر میں اس حالت میں رہا۔ لیکن جب میرے حواس بجا ہوئے تو میں ایک آرام دہ مسہری پر پڑا ہوا تھا اور شمیم وبریم اور قیصر وغیرہم میرے قریب موجود تھے لیکن میرا تمام جسم اکڑا ہوا تھا۔ جوڑ جوڑ میں شدت کا درد تھا اور پیشانی میں ٹیس ہو رہی تھی۔

لیکن اسکے باوجود میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ کہ سانپ کا وار ...ت کا باعث نہ ہوا۔ کیونکہ مجھ سے قبل وہ بدقسمت شکاری کو ڈس کر اپنا ...ہر خارج کر چکا تھا۔ اسکے علاوہ طبی امداد بھی فوری مل گئی۔

میں نے اپنے اعضاء کو حرکت دیکر دیکھا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہ اب وہ پہلے کی طرح مفلوج نہ تھے۔ اب میں انکو جس طرح چاہتا ہلا سکتا تھا

میں نے چلتے ہوتے اعضاء سے کام لیتے ہوئے سب سے پہلے شمیم کی توجہ اس پوشیدہ بٹن کی طرف منعطف کرائی۔ جسکو گھمانے سے جیلخانہ کی سامنے والی دیوار اوپر اٹھ گئی۔

بڑا ہی حسرت ناک منظر تھا۔ بیکس قیدی منہ پر ایک نہایت خوفناک آہنی نقاب اور سر سے پاؤں تک سیاہ لبادہ میں ملبوس قیدخانہ کے ایک گوشہ میں طوق و سلاسل سے جکڑا ہوا حسرت ویاس کی تصویر بنا ہوا پڑا تھا۔

قیصر و پریم نے بجلی کی تیزی کی طرح جھپٹ کر اس زندہ مگر مجبور و لاچار پیکر کو آزاد کیا۔ عجیب غریب آہنی نقاب کی ساخت کی طرف میری توجہ بھی منعطف کرائی گئی۔ وہ فولاد کی ایک پلیٹ تھی جسمیں آنکھوں کے لئے گول گول چھید۔ دو چھوٹے چھوٹے ہونٹ اور ایک چپٹی سی بھدی ناک بنی ہوئی نہایت کریہ المنظر معلوم ہوتی تھی۔ اس نقاب کو پیچھے گدی کے پاس ایک گھنڈی سے کچھ اس طرح کسا گیا تھا۔ کہ چہرہ سے اسکو بدقت علیحدہ کیا گیا۔ لیکن سینکڑوں انسانی قسمتوں کا مالک کرشن آزاد ہونے اور اپنی رشک قمر پریم کے پہلو میں پہنچنے کے بعد بھی کچھ مغموم سا تھا۔ مصائب و آلام نے حقیقتاً اسکے آرام و اطمینان کو چھین لیا تھا۔ مذکورہ وجوہ کے علاوہ بعد میں ایک نہایت حیرت خیز حقیقت کا انکشاف ہوا۔ کہ جس طرح میری جان

لینے کے لئے نہایت عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔ اسی طرح ماہر
سائنس نے کرشن کے جسم میں دق کے جراثیم بذریعہ خوراک داخل کر کے
اپنے تحیر کن سفاکی پر تمام ڈاکٹروں کو انگشت بدنداں کر دیا۔ وہ چاہتا تھا۔
کہ اس موذی مرض میں مبتلا ہونے اور علاج نہ کرنے کے باعث
کرشن ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جیلخانہ میں مرجائے۔

جس طرح میری موت کے متعلق کوئی شبہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا
اسی طرح دق میں مبتلا کرشن کی شمع ہستی بجھ جانے پر بھی کسی شک کی
گنجایش نہ تھی۔

اور اگر شک و شبہ ہونے کے باعث مرنے کے بعد دونوں لاشیں
حاصل کر کے ان کا پوسٹ مارٹم بھی کرایا جاتا۔ تو ڈاکٹر سانپ کے کاٹنے اور
دوسرے کے متعلق دق سے مرجانے کے علاوہ رپورٹ میں کیا لکھ سکتا تھا
چنانچہ قاتل کی بریت کیلئے یہ ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت تھا جسکی تردید کے
لئے دنیاوی قانون بالکل عاجز ہے۔

کرشن کی حفاظت و نگہبانی یا یوں کہئے کہ ________
اسکو آہستہ آہستہ موت کے گھاٹ اتارنے کیلئے عدالت نے صرف ہی ماہر سائنس
کا تقرر کافی سمجھا تھا۔ جو دوسروں کی جانیں لینے کیلئے محیر العقول ایجادات کا موجد تھا
یا ان دونوں کا کھانا پکانے کیلئے۔ ملازم جو سٹریچر کی گولیوں سے سینہ چھلنی ہو جانے
کے باعث اپنے گرد و پیش کے حالات سے بے خبر سانپ کی لاش کے
قریب آرام کی نیند سو رہا تھا۔

# بارھواں باب (۱۲)

# ہولناک انجام

آفتاب کسی حسرت زدہ کی طرح قلعہ پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔ اور اسکی چکا چوند پیدا کرنے والی شعاعیں اب پھیکی پڑ کر قلعہ کی اداسی اور بھیانک پن میں بتدریج اضافہ کر رہی تھیں۔ پشکین کسا ہوا ماہر سائنس اور کرشن سمیت ہماری مختصر پارٹی صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ کسل مٹانے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ کچھ بیٹھے ہوئے شمیم کی اس دوسری پیشین گوئی کے حرف بحرف صحیح ہو جانے پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔ کہ۔

اسیر بلا کرشن قید خانہ کی خوفناک چہار دیواری کی بجائے اپنے قتیل خنجر نازکی آغوش میں آج سورج غروب ہونے کا منظر دیکھ سکیگا۔

میں آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ اور سٹریٹر قیدی کے قریب بیٹھا ہوا بچوں کے مانند کبھی تلوار سے کھیلنے لگتا۔ اور کبھی تمسخر انگیز دل آزار باتوں سے اسکے زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا۔

پریم مثل پروانہ پران ناتھ پر گری پڑتی تھی۔ حقیقتاً اسکو اس سے انتہائی محبت تھی۔ اور عرصہ دراز کے بعد اسکے دیدار سے لطف اندوز ہو کر اب جبکہ

والہانہ انداز سے بھی وہ پیش آتی۔ قابل ملامت نہ تھی۔

مسرت وانبساط کے روح پرور جذبہ سے اسکے حسن نے ایک نئی دلفریبی اختیار کرلی تھی۔ اُف کیا حسن خداداد تھا جس کی نظیر میں نے نہیں دیکھی صنف لطیف میں وہ ایک حسین ترین ہستی تھی۔ ان میں ____

____ مگر ان سے بالا تر ایک ایسے مقناطیسی حسن کی ملکہ جس پر فدا ہو جانے کی آرزو ہر دل میں خواہ مخواہ پیدا ہوتی ہے۔

پھر اسکے علاوہ کرشن خود بھی کچھ کم حسین نہ تھا۔ بادام نما آنکھیں۔ تابناک پیشانی ستواں ناک۔ ہلالی لب اور بدر کامل کی طرح چمکدار چہرہ بالکل ایسے ہی جیسے اسکا چھوٹا بھائی گلشن اور اگر خود ستائی نہ سمجھی جائے تو مجھکو یوں کہنے دیجئے کہ ____ جیسے اسکا بھائی۔ شن یا میں۔

لیکن افکار و آلام یا شاید ____ انہی دق کے جراثیم کے باعث آنکھوں میں سے غزالوں کی سی شوخی اور جمال سحر افروز کی خوش رنگی کچھ پھیکی سی پڑ گئی تھی جو عموماً ایک ہنس مکھ چہرہ پر نمایاں ہوتی ہے۔

مجھکو کرشن متصور کر کے وہ بیحد متعجب تھا کہ ستمگر بھائی آخر اس طرح کیوں مہربان ہوا۔ لیکن جب اسکو حقیقت سے آگاہ کیا گیا۔ تو اوروں کی طرح وہ بھی متحیر رہ گیا۔

بہرام کی آمد کے سبب شمیم اسی وقت واپس ہونا چاہتا تھا۔ تاکہ مدافعت

کے لئے بروقت جواب دیا جاسکے لیکن بلسانہ یہاں سے بہت دور اور راستہ درندوں اور پرخار گنجان جھاڑیوں کے باعث نہایت خطرناک تھا۔ اسکے علاوہ جنگل کی تھکا دینے والی تکالیف سے سب لوگ اسقدر مضمحل تھے۔ کہ ایک قدم چلنے کی ہمت نہ تھی۔

فیصلہ کن تجویز سوچنے کے لئے قیصر شمیم کی طرف چلا۔ جو ہال کے آخر میں دیوار کے سہارے کھڑا کھڑکی میں سے جنگل اور ندی کے روح پرور مناظر دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ قیصر اس سے گفتگو کرتا۔ بندوق کی متواتر آوازوں نے سب کو چونکا دیا۔ اور گولیاں سنسناتی ہوئی ان دونوں کے پاس سے نکل گئیں۔ انہوں نے متعجب ہو کر اس طرف دیکھا۔ صبا رفتار گھوڑوں پر سوار نرائن کچھ ہمراہیوں کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ندی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اپنے زبردست حریف نرائن کا نام سنتے ہی کرشن شیر کی طرح جھپٹ کر کھڑکی کے پاس آیا۔ اور ہمارے دیکھتے دیکھتے نرائن کی چھوڑی ہوئی دوسری باڑھ سے زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔

آسمان نے پھر رنگ بدلا۔ اُف کتنا پریشان کن وقت تھا خونخوار حریف کے نرغے میں ہم سب غیر مسلح۔ ان میں ایک میں سخت بیمار و نحیف اور کرشن ایک ایسا زخمی مریض جس کے جسم پر گولیوں کے تین مہلک زخم تھے۔ اور وہ شاید کچھ ہی دیر کا مہمان تھا۔

پریم نے بیحد مضطرب ہو کر زخمی شوہر کو آغوش میں لیا۔

اور شمیم کی طرف جیسے شاید وہ اب اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی ملتجی نظروں سے دیکھا۔

کے گمان تھا۔ کہ ہم اس آفت ناگہانی سے بچ سکیں گے۔ جو ہمارے سر پر کھیل رہی تھی۔ لیکن شمیم نے موجودہ خطرناک حملہ سے قطعی لاپرواہ ہو کر پریم کو اطمینان دہ لہجہ میں دلاسا دیا۔ کہ:۔

آپ حریف سے لاپرواہ ہو کر اپنی تمام توجہ کرشن پر مرکوز کر دیجئے۔ حریف کی جارحانہ کارروائیوں سے انشاءاللہ آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچیگا۔ بلکہ میں کوشش کرونگا۔ کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے۔

ابتک اسکی تمام باتیں محیر العقول ثابت ہوئی تھیں اور ممکن ہے۔ کہ اسکے مذکورہ الفاظ بھی کسی نہ کسی طرح صحیح ثابت ہوتے۔ لیکن اسوقت ہمارے وہم و گمان میں بھی کوئی ایسی تدبیر نہ تھی۔ جسپر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے جانی دشمن سے نجات حاصل کر سکتے۔

شمیم۔ مسٹر قیصر غور و فکر کا وقت نہیں۔ اسوقت عجلت کیضرورت ہے آپ نے وقت ضائع کئے بغیر اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنائیں۔

قیصر و مسٹر پٹر کو لیکر وہ میری آرام کرسی کے قریب آیا اور سرگوشی کے ں کہ ہمارے دوسرے ہمراہیوں کو آواز نہ پہنچے اسنے ہمکو بتایا۔ کہ اگر چھت کے ے ہوئے پیپل کی مضبوط جڑوں کو کاٹ دیا جائے۔ تو بوسیدہ چھت تمام گنبدوں سمیت سیڑھیوں پر گر کر قلعہ کے بالائی حصہ کا راستہ بند کر دیگی اگر ہم تک پہنچنے کا یہ راستہ بند ہو جائے تو یقیناً بالائی حصہ تک پہنچنا ان کیلئے

ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائیگا۔

اس کی تجویز اسقدر تحیر خیز تھی۔ کہ ہم اسکی دماغ سوزی پر حیران رہ گئے

قیصر۔ اگر دشمن راستہ بند ہو جانے کے بعد چار گھنٹا وراپر نہ پہنچے۔ تو قلعہ کی پچھلی دیوار پھاند کر محفوظ جگہ پہنچ سکتے ہیں۔

شمیم نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا۔ کہ سٹریٹر نے چوکیدار کا کلہا کہ شمیم کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چھت پر چڑہنا چاہا۔

شمیم۔ سٹریپٹر بعض اوقات اب بھی تم ناسمجھ بچوں کی سی باتیں کرتے ہو کام اتنا آسان نہیں جتنا کہ تمنے سمجھ رکھا ہے۔ پیپل کی جڑ کٹ جانے کے بعد صرف چھت ہی نہیں گرے گی۔ بلکہ جڑ کاٹنے والا بھی اسی کے ساتھ گر کر فنا ہو جائیگا۔

سٹریپٹر۔ میں سمجھتا ہوں۔ لیکن آقا کی جان پر بنی ہو تو خود موت سے ہم آغوش ہو جانا باعث عزت ہے۔

شمیم۔ (مسکراکر) لیکن اپنی جان کو اتنا ارزاں نہ سمجھنا چاہئے سخت جانکاہی کے بعد اگر مجھ سے کوئی سبق سیکھا ہے۔ تو یقین رکھو۔ کہ میں تمہاری جان کو اس طرح کبھی ضائع نہ ہونے دونگا۔

سٹریپٹر۔ لیکن اسکے سوا چارہ ہی کیا ہے؟

شمیم۔ اپنا ریوالور میرے حوالے کرو۔ آج مصلحت وقت یا تمام ہمراہیوں کی جان بچانے کیلئے مجھے جھوٹ بولنا پڑیگا۔

سٹریپٹر کے علاوہ میں خود بھی حیران تھا۔ کہ حقیقت حال سے آگاہ ہونے کے باوجود خالی پستول سے وہ کیا کام لیگا۔ کیونکہ ہم لوگوں کے مانند وہ خو...

بھی جانتا تھا۔ کہ تمام گولیاں سانپ اور چاتے لانے والے ملازم پر استعمال ہو چکیں۔ اور اب وہ بالکل خالی ہے۔

ہمکو غور وفکر کے عمیق سمندر میں غوطہ زن چھوڑ کر وہ خالی پستول لئے قیدی کے پاس پہنچا۔

شمیم۔ میرے دوست قید کی بہ نسبت آزادی بہر حال بہتر ہے خواہ اس کے لئے کتنی ہی گراں قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ میں سمجھتا ہوں۔ تم جیسا روشن خیال شخص بھی اسکا طالب ہوگا۔ اسلئے حصول آزادی کی ایک نہایت عمدہ تجویز میں تمکو بتاتا ہوں۔ جس کی انجام دہی کے بعد تم آزاد ہوگئے کسمساتا اور غور وفکر کرنا بیکار ہے۔ انکار سننے کی مجھے عادت نہیں لطف وکرم سے کام لوں تو میری مہربانی ہے سو رہنہ جانتے ہو۔ کہ نزاتن کی امداد پہنچنے سے قبل یہ سات زبانوں والا اژدہا تمکو اس دنیا سے سدھار دیگا۔

قیدی جو شاید انکار کرنے کی جرات کر رہا تھا۔ پستول دیکھکر موم ہوگیا اب وہ مجبوراً تعمیل ارشاد کے لئے حاضر تھا۔

وہ ماہر سائنس جسکی صرف دو ایجادیں دیکھکر میں اسکی جدت کا قائل تہا حقیقت حال سے ناآشنا بالکل بیوقوفوں کے مانند خود اپنی موت کا سامان اکرنے کیلئے تیار تھا۔ سچ ہے۔ تقدیر میں جب گردش آتی ہے تو دماغ بیکار ہو جاتا ہے۔

شمیم۔ اب آپ کلہاڑا لیکر چھت پر چڑھ جائے اور پیپل کی جڑوں کو کاٹ

ڈالیے۔ لیکن اگر آپ نے ذرا بھی سستی کی تو پستول کی گولی آپ کا سینہ توڑ دیگی
اپنی ہیئتی قابلیت پر نازاں اور اپنی محیر العقول ایجادات پر مغرور ساحر سائنہ
بھونڈا کلہاڑا لیکر چھت پر چڑھ گیا۔ مجبوری کے علاوہ وہ اپنے عبرتناک انجام
سے یقیناً بے خبر تھا۔ کہ جڑوں کے کٹ جانے کے بعد چھت کے ساتھ ہی
وہ بھی آ رہے گا۔

شمیم۔ مسٹر سیلم یہ پستول لیجیے۔ اگر آپ کا حریف اپنے کام میں ذرا
بھی تساہل کرے تو فوراً لبلی دبا دیجیئے گا۔

شمیم کے مذکورہ تحت الفاظ اور میرے انتقامی جوش کو مدنظر رکھکر وہ
بہ عجلت تمام اوپر چڑھکر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ دہر گولیوں کی بارش
اب ختم ہو چکی تھی۔ شاید حریف ندی پار کر رہا تھا۔

آف کتنا روح فرسا منظر تھا۔ کہ ہم سب کو اپنی آغوش میں میٹھی نیند سلانے
کے لئے موت بہ سرعت ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔

گو قیدی نہایت مستعدی سے اپنے حصول مقصد کیلئے عرق ریزی کر رہا
تھا۔ مگر اسکے باوجود بھی تھوڑی دیر بعد میں سکو خواہ مخواہ [illegible] کر سکے
ہاتھ ذرا بھی سست ہوا تو میں گولی مار دونگا تاکہ گولیوں کے بغیر یہ پستول
کھلونے سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔

کرشن موقعہ کی نزاکت سے، غم بیہوش پڑا ہوا تھی کبھی کراہ اٹھتا۔
اور میں بھی شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ ہمارے ساتھی عجیب بیمودہ سی
حالت میں تھے۔ کہ دشمن کی چاپ نے چونکا دیا۔ وہ لوگ زینہ طے کرتے

تھے۔جان بچانے کی ہماری اپنی یہ ترکیب دشمنوں کے لئے پیغام موت ضرور تھی۔لیکن ذرا بھی تاخیر ہوا اور وہ چھت گرنے سے پہلے اوپر آجائیں تو ہماری عظیم الشان سکیم بالکل بیکار اور فضول تھی۔اُف کسقدر امید و یاس کا وقت تھا۔کر وہ مسلح اور ہم بالکل نہتے۔میں نے قیدی کو پھر ڈانٹا۔لیکن میرا جملہ ختم ہوتے ہی نرائن وکشن ہاتھوں میں پستول لئے زینہ ختم کرکے صحن میں داخل ہوتے اور فوراً گولیاں چلائیں۔کشن کا فائر خالی گیا۔لیکن نرائن کی گولی نسیم کے بازو میں پیوست ہوگئی۔مگر وہ جب بھی بدستور کھڑا رہا۔

اپنے پیچھے سات آٹھ آدمیوں کی جماعت لئے وہ زینہ کے دروازے پر کھڑے گولیوں کی بارش برساکر ہمکو ختم کرنا چاہتے تھے۔لیکن خوش قسمتی سے قیدی اپنا کام ختم کرچکا تھا۔تمام چھت ایک تھلکہ مچادینے والے دھماکے کے ساتھ تمام گنبد اور بدقسمت ماہر سائنس کو اپنے ساتھ لئے نیچے گری کشن ونرائن کے وہ نقاب پوش اور حبشی معاون جو امداد و اعانت کیلئے ان کے پس پشت کھڑے تھے۔ہزار ہا من بوجھ کے نیچے دب گئے اور ایک نہایت وزنی پتھر کے لڑھک کر گرنے سے نرائن کا بھیجا پاش پاش ہوگیا۔

عبرتناک چیخوں اور لرزہ خیز دھماکے سے خوفزدہ اور حواس باختہ کشن نے نرائن کے حسرتناک انجام اور پھر پلٹ کر دیگر ہمراہیوں کو دیکھا قدیم طرز کا وہ انوکھا زینہ جسکو ابھی انہوں نے طے کیا تھا معہ اسکے ہمدموں کے بالکل نیست ونابود ہوچکا تھا۔اور اب وہاں صرف ایک خاک کا تودہ تھا جسکو ہم اپنے حریفوں اور وہ اپنے رفیقوں کا مدفن کہے تو بجا ہوگا۔

ہمارے علاوہ وہ خود بھی انکے عبرتناک حشر پر لرز گیا۔ اور اسکا وہ پستول

جو ہمارے لئے پیغام اجل تھا۔ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

دشمن جاں نرائن کشن کے قدموں میں پڑا سسک رہا تھا۔ پریم نے کم

میں سے حاصل کی ہوئی شمشیر آبدار مضروب کے سینہ میں بھونک دی جو جگر کے

ٹکڑے کرتی ہوئی اس بدقسمت کی رمق جان کو جو ابھی تک کچھ یونہیں سی باقی

تھی اپنے ساتھ لئے پار نکل گئی۔

کشن گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس بڑے اور عبرتناک انجام کے ساتھ ہمارے

زبردست حریف پارٹی تقریباً ختم سی ہو گئی لیکن فن جرائم کا وہ نامی گرامی ا

مشہور ہیرو جو بغیر کسی اضطرابی حرکت کے کامل اطمینان و سکون کے ساتھ بڑی

بڑی طاقتوں اور جماعتوں کو الٹ دیا کرتے تھے کل طلوع سورج کے ساتھ ہی ہ

مقابلہ پر آرہا تھا۔

متوفین میں صرف مغرور ماہر سائنس کی لاش دستیاب ہوئی جو چھت

کے اوپر ہی اوپر لڑھک کر نیچے آرہی تھی۔ قیصر نے بلسانہ کے باشندوں کی ما

سے نرائن اور اسکی لاش کو [illegible] کے ساتھ [illegible] دیا۔ [illegible] کی تجہیز کی رسو

ادا کیں۔

چونکہ ندی کے پار مخالف پارٹی کے گھوڑے موجود تھے۔ [illegible] میرے س

ساتھ کرشن و شمیم کو بھی [illegible] [illegible] تھی۔ [illegible] ہم نے [illegible]

تاخیر نہ کی۔

جب ہم اس بھیانک قبرستان سے روانہ ہوئے۔ تو صبح خوب

تھا۔ اور اس لق و دق صحرا میں چاند کی ابتدائی اور ہلکی روشنی ہمارے لئے
راہ ثابت ہو رہی تھی۔

میں اور شمیم سخت تکلیف کے باوجود اچھی طرح گھوڑوں پر سواری کے
قابل تھے۔ لیکن کرشن کی حالت سخت زبوں اور خطرناک تھی۔ ابتک
ہوش نہ آیا تھا۔ لیکن سٹر پڑ اور باشندگان بلسانہ کی امداد سے بمشکل اسکو
سے لایا گیا۔

راہ میں قیصر نے ایک اور حل طلب معمہ پیش کیا۔ جسکے متعلق بلسانہ پہنچنے
سے پہلے فیصلہ کر لینا نہایت ضروری سمجھا گیا۔ اندیشہ تھا۔ کہ باشندگان
بلسانہ عقیدت کے باوجود راز سے آگاہ ہو کر کہیں دارالحکومت میں اسکو
بے نقاب نہ کر دیں۔

قیصر نے ہمکو بتایا۔ کہ مہاراج بلونت سنگھ کی مقرر شدہ تاجپوشی کی تاریخ
میں صرف پانچ دن باقی ہیں اور امید نہیں۔ کہ اس قلیل عرصہ میں کرشن صحتیاب
ہو سکے اسلئے ضروری امر ہے۔ کہ اس مقررہ تاریخ پر مسٹر سلیم کی تاجپوشی کر دی جائے
ورنہ مقررہ تاریخ گذر جانے کے بعد کشن کو دوبارہ دعویٰ کرنے کا حق ہوگا۔ حالانکہ
میں سمجھتا ہوں۔ کہ لاتعداد تکالیف اٹھانے کے بعد اور خود پبلک کی دلی خواہش
کے مطابق کرشن کو تاج و تخت کا حق پہنچتا ہے۔ اسکے علاوہ مرحوم مہاراج
کے سازشی قتل۔ پریم کی عصمت پر حملہ آور ہونے اور اسکے بعد لاتعداد ظلم و
جانشین کے باعث انصافاً کشن سا روسیاہ تخت نشین نہ ہونا چاہیئے
تمام رعایا کے علاوہ خود اپنے ہمراہی دیہاتیوں کو بھی اس راز سے لاعلم

رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ یقین تھا۔ کہ کشن کے دوسرے ہمراہیوں کے علاوہ بہرام
جیسے چلتے پرزے کے لئے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنا مشکل نہ ہوگا جس
کے لئے کوئی عقدہ ایسا نہیں جو لاینحل ہو۔

اس لئے بلسانوی رفیقوں کو یقین دلاکر کہ کرشن مقررہ تاریخ تک صحتیاب
ہوکر تخت نشین کر دیا جائیگا۔ راستہ سے ہی انکو رخصت کر دیا گیا اور قصبہ
بلسانہ کو دائیں جانب چھوڑ کر ہم دوسری شاہراہ بناتے دارالحکومت کو بھی
جانے والی پختہ سڑک کیجانب روانہ ہوئے۔

کھیتڑی میں داخل ہونے سے قبل صحرا میں بنی ہوئی شاہی شکارگاہ میں کرشن
و علاج کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ کیونکہ شہر میں ہمشکل تین اشخاص کا داخلہ کسی طرح
ناسب نہ تھا کرشن کے کامل صحتیاب ہونے کی قطعی امید تو نہ تھی لیکن
بال تھا کہ اگر وہ اسوقت تک کچھ بھی روبصحت ہو جاتے تو اسی کو تخت نشین
یا جائے گا۔

کشن کو بھی شکارگاہ کے ایک علیحدہ کمرے میں مقید کر دیا گیا اسکو
ی لاعلم رکھا گیا تھا۔ کہ اگر کرشن مقررہ وقت تک صحتیاب نہوا تو دیہیم
و تاج پہنایا جائے گا۔

ایک بھائی کو اپنے کئے ہوئے جرموں کی سزا میں طوق وسلاسل پہنا کر
ر دوسرے لب دم بھائی کو ڈاکٹروں کی نگرانی میں چھوڑ کر ہم کھیتڑی میں
خل ہوتے۔ لیکن اس طرح کہ میں راجکمار کرشن۔ پریم تمامیری بیوی قیصر
سب سابق ہمارا اید بدو زیر۔ شمیم ہمارے ہاں مقیم ایک نووارد شکاری دوست

اور سٹر پیٹر اس کا خدمتگار تھا۔

شب کی تاریکی میں ہم شہر میں داخل ہوئے اور آنجہانی نرائن کے صبح آنے والے پراسرار مہمان کی آمد سے قبل تھوڑی دیر کر سیدھی کرنے کے لئے شاہی محل میں دراز ہو گئے۔

شمیم نے مسکراتے ہوئے قیصر سے اپنا خیال ظاہر کیا۔ کہ وہ شاہی مہمان ہونے کی حیثیت سے میزبان کی اچانک موت کے بعد حریف ہوتے ہوئے شاید اپنی میزبانی کا فخر ہم ہی کو عطا کرے۔

# تیرھواں باب (۱۳)

## حیرت انگیز حالات

صبح ہم قیصر پلیس روانہ ہوئے جو شہر کی حدود کے باہر ایک پر فضا
مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ لیکن قیصر کی میز پر اخبار ہمدرد دہلی کا تازہ پرچہ دیکھکر
ہم سخت متعجب ہوئے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس اور رائٹر کی براہ راست خبریں
حاصل کرنے والا اردو روزناموں میں سب سے پہلا پرچہ ہونے کے باعث شمیم
کا دلدادہ تھا۔ اسکے علاوہ رئیس الاحرار مولنا محمد علیؒ کی اوارتی رہنمائی
کی وجہ سے اسنے ہندوستانی صحافت میں یوں بھی غیر فانی نقوش قایم
کر لئے تھے۔ اسلئے اس نے بڑھکر اُسے اٹھایا پہلے ہی صفحہ پر جلی قلم سے تحریر تھا

**روئے زمین کی ناقابل فہم اور بھید پر اسرار ہستی میدان عمل میں**
**نیلی چھتری کے غریب پرور اور مفلس نواز تاجدار کی تازہ چہ**

مذکورہ بالا سنسنی خیز عنوان کے زیر تحت بہرام کا موصول شدہ پیغام
شائع کیا گیا تھا۔ کہ وہ عرصہ مدید کے بعد کسی زبردست چوری یا حیرت انگیز
نقب زنی کے سلسلے میں نہیں بلکہ ایک ریاست کی تخت نشینی کے فیصلہ
کے متعلق دنیا میں لاثانی شہرت کے مالک مسٹر شمیم سراغرساں کی تدبیروں کو

ملیامیٹ کرنے کے لئے مورخہ ۲۴ اکتوبر کو میدان عمل میں قدم رکھیگا۔ پبلک کو اسکے پیچیدہ اور دور از فہم کارہائے نمایاں کا بے چینی سے منتظر رہنا چاہئے
یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ وہ مفلس ہندوستان کی لاکھوں ہستیوں کے لئے روٹی کا ذریعہ تھا۔ جہاں محلات کے مکین اسکے نام سے خوف وہراس ظاہر کرتے تھے۔ وہیں جھونپڑوں کے رہنے والوں کے دل میں اسکی عقیدت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ اپنی ہر معمولی سے معمولی واردات کے ارتکاب کے بعد سینکڑوں روپیہ غریبوں میں تقسیم کرنا اسکا معمول تھا غربا کا تکلیف میں مبتلا رہنا یا اپنے کسی ادنیٰ منصوبے کو خاک میں ملتا ہوا دیکھنا اسپر یکساں شاق تھا۔ اور کبھی افواہاً بھی نہیں سنا گیا۔ کہ وہ اپنے ارادوں میں کبھی ناکامیاب رہا ہو۔
اپنے پیارے وطن ہندوستان کے علاوہ مجلس مرکزیہ خلافت ہند بمبئی کے توسط سے اس نے ایک خطیر رقم سمرنا فنڈ میں بھی ارسال کی تھی۔ جو غالب کمالی بے نے مظلومین سمرنا کو پہنچائی اسی قسم کے دوسرے مخصوص اعمال کے سبب وہ لوگوں کے ایک وسیع طبقہ میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اور یہی وجہ تھی۔ کہ ملک کا ہر چھوٹا بڑا پرچہ اسکے پیغامات شائع کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اسکے خریداروں کا بیشتر حصہ اسکے مداحوں پر مشتمل رہتا تھا۔

قیصر کی عدم موجودگی میں مقفل کمرے کے اندر ہمدرد کے تازہ پرچہ کا

موجود ہونا تعجب انگیز امر تھا۔ قیصر نے دریافت حال کے لئے ملازم کو طلب کیا

قیصر۔ یہ اخباریاں کون لایا؟

ملازم۔ قیصر سے بھی دوچند استعجاب ظاہر کرکے سرکار ناشتہ کے وقت آپ ہی تو پرچہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ قیصر اسکو اپنے جھڑکتا شمیم نے اسکو خاموش کردیا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ ہمارے ان پراسرار مہمان کی کارفرمائی ہے۔

میز کی درازیں دیکھنے سے اسکا خیال صحیح ثابت ہوا کیونکہ شمیم کے نام لکھا ہوا وہی مخصوص گلابی لفافہ وہاں موجود تھا اور اسی مخصوص انداز سے خطاب کیا گیا تھا۔

## مسٹر شمیم۔ سلام مسنون

سب سے پہلے تو اپنے کرم فرما دوست مسٹر قیصر کا غصہ فرو کرنے کے لئے انکو بتادیجئے کہ بلدی رنگت کی تبدیلیوں کا راز پاٹر وکیلگ ایسڈ GALIC AGID اور سیلنڈن کے عرق Salandan Watar میں مضمر ہے۔ پھر مجھ جیسا شہباز درحلیوں کی پابندیوں سے آزاد آدمی اگر قیصر یہاں ہے، قیصر منکر ہی ناشتہ کے لئے آسکتا ہے تو اس میں تعجب کیا ہے؟

آج علی الصبح بلسانہ کے باشندوں کی زبانی بے یار و مددگار زمان کی افسوس ناک موت اور آپ لوگوں کے جبر و تشدد کا حال سنکر قلق ہوا۔ آپ نے میری آمد سے قبل ایک بیکس مظلوم کو خواہ مخواہ موت کے گھاٹ

اتار دیا۔ افسوس اگر وہ نادان زرنذرانہ اس سے قبل مجھے بھجدیتا۔ تو آپ لوگ شاید اس آسانی سے اسپر قابو نہ پا سکتے۔

اس کی اچانک موت کے بعد کسی آشنا کی غیر موجودگی میں آپ کو میزبانی کی تکلیف دینا اگر دیکھا جائے تو کچھ غیر واجب نہیں۔ لیکن اگر کوئی خاص تکلیف محسوس ہوئی ہو تو مجھے واقعی افسوس ہے۔

اور خصوصاً ایسی صورت میں مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ کہ خالی ہاتھ جانے کی بجائے اپنی معلومات کے اضافہ کے لئے "تاریخ عشرت محل" نامی غیر مطبوعہ کتاب ہمراہ لیجا رہا ہوں۔

غالباً یہ ظاہر کرنا لاحاصل ہے۔ کہ اس کی مظلومانہ موت کے بعد اس کے مقصد کو پورا کرنا یقینی ہے۔ جبکہ زرنذرانہ مجھے موصول ہو چکا ہے۔

کھیڑی۔ قیصر پیلس

میں ہوں آپکا خالص

مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء

بہرام

جلسانہ میں بندوقیں چھوڑ دینے کے بعد قیصر کی یہ دوسری غلطی یا انتہائی بیوقوفی تھی۔ کہ شمیم کے اصرار کے باوجود اسنے غیر مطبوعہ کتاب اور قلعہ میں رکھے ہوئے تاریخی اہمیت رکھنے والے نادر و نایاب ہیروں کو کسی محفوظ مقام پر تبدیل نہ کیا۔ دراز میں بحفاظت مقفل کر دینے کے باوجود غیر مطبوعہ کتاب کے متعلق قیصر نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اقرار کیا اسکے ساتھ ہی جواہرات متعلق اپنی مجبوری ظاہر کی۔ کہ پارلیمنٹ سے استفسار کئے بغیر محض اس کے م سے قلعہ کے عجائب خانہ میں رکھے ہوئے تاریخی جواہرات کو منتظم وہاں سے

علیحدہ کرنے کا مجاز نہیں۔ استفسار کے لئے پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد کرنے
کا خیال ہی فضول تھا۔ کیونکہ اسکے ایجنڈے پر کم از کم پندرہ روز قبل تمام
اراکین کے دستخط ہونے ضروری تھے۔ حالانکہ شمیم کی تنبیہ کے دوسرے ہی
روز بہرام آدھمکا تھا۔ اگر فوری ایجنڈا تیار بھی کیا جاتا۔ تب بھی اجلاس کیلئے
پندرہ روز درکار تھے۔ حالانکہ اس عیار مجرم کے لئے پندرہ روز میں سے
صرف پندرہ منٹ نادرات اڑانے کے لئے کافی تھے۔ پندرہ روز میں تو وہ
قلعہ کے علاوہ سارے شہر کو اپنی بے مثل نقب زنی اور دوسری خطا کرنے
والی گھاتوں سے کنگال کر سکتا تھا۔ اسلئے مجبوراً صرف چوکیداروں کی تعداد
میں اضافہ کرنے پر کفایت کی گئی۔ حالانکہ شمیم کے خیال میں وہ بالکل غیر
ضروری چیز تھی۔

ٹوٹے ہوئے سکہ کے دوسرے ٹکڑے کے متعلق شمیم کا خیال تھا کہ
وہ عشرت محل کی پراسرار بھول بھلیوں میں کسی پوشیدہ مقام پر محفوظ کیا
گیا ہوگا۔ جس کی تلاش میں غیر مطبوعہ کتاب ہمیں بیحد امداد پہنچاتی۔ لیکن افسوس
اسوقت وہ اس طلسمی پتلے کے قبضہ میں تھی۔ جبکا ثانی اسوقت دنیا کے پردے
پر موجود نہ تھا۔ اور فن جرائم کے علاوہ وہ سراغرسانی میں بھی کچھ مہارت رکھتا
تھا۔ اسلئے شمیم کو یقین کامل تھا۔ کہ اگر ہمنے اپنی تلاش کو پوری جدوجہد کے ساتھ
فوراً ہی شروع نہ کر دیا۔ تو ہمسے پہلے وہ عجیب الخلقت الشان اسکو ضرور پالیگا
اسلئے شمیم کے ہمراہ ہم سب تیزی سے عشرت محل کیجانب روانہ ہوئے۔ جو موسم
بہار سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہایت پرفضا مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ او

جو اپنے اندر راستہ گم کر دینے والی بھول بھلیاں اور لاتعداد اسرار پنہاں رکھتا تھا۔

اسوقت ایک ہی چیز کے سراغ میں دنیا کے دو بے مثل دماغ ایک دوسرے سے پہلے منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ اس دوراز فہم مسئلہ میں کس کو کس پر تفوق حاصل رہیگا۔

بہرام کی زبانی یا شاید کسی دوسرے ذریعہ سے کشن پارٹی کے حبشی غلاموں اور نمک حرام نقاب پوشوں کو نراین کی اچانک موت اور کشن کی یکایک گرفتاری کی خبر مل چکی تھی کیونکہ جسوقت ہم عشرت محل پہنچے۔ تو وہاں مذکورہ آدمیوں میں سے کوئی متنفس موجود نہ تھا۔

ہمنے اس عظیم الشان محل کے تمام کمروں۔ غلام گردشوں اور بڑے بڑے ہالوں میں چھان بین کرنے کے علاوہ وہاں کی تمام زمین کو ٹھونکا۔ دیواروں کو تھپتھپایا۔ اور تمام چھتوں کا جائزہ لیا۔ لیکن سب بیسود۔ سرنگوں اور کہیں کہیں تہ خانوں میں قدموں کے نقوش اور اسکے علاوہ کئی ہی معمولی معمولی تازہ نشانوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہرام ہم سے پہلے یہاں ضرور آیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہماری بے سود نقل و حرکت کو دیکھکر اسوقت بھی یہیں کہیں قریب ہی کھڑا ہوا مسکرا رہا ہو۔ کیونکہ غیر مطبوعہ کتاب پر قابض ہونے کیوجہ سے وہ ہماری بہ نسبت عشرت محل کی بھول بھلیوں سے زیادہ واقف ہو چکا تھا۔

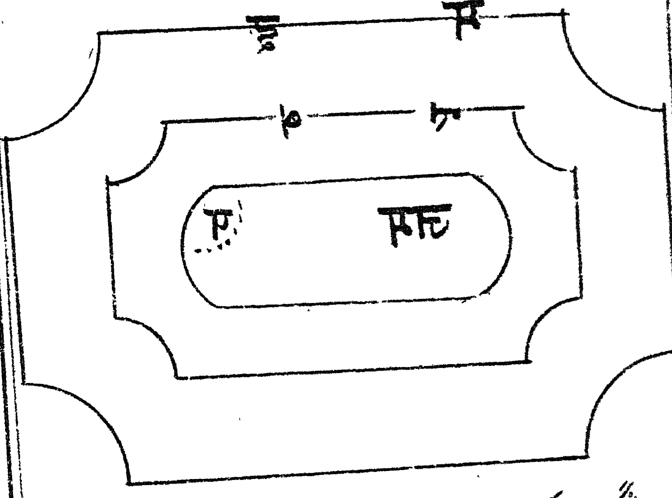
ہمنے اپنی بے سود تلاش کو تمام دن جاری رکھا۔ اور اس عرصہ میں اس

یسے عمارت کا کوئی فرش ۔ فرنیچر کا کوئی حصہ یا دیگر ساز و سامان میں شاید ہی
وئی چیز بچی ہو ۔ جسے ہمنے نہ چھوا ہو یا نہ دیکھا ہو لیکن تمام کوششیں ۔ بیکار ثابت
ہوئیں ۔ اور وہ طلائی سکہ جس پر تاجپوشی کا انحصار تھا کہیں نہ ملا ۔ بالآخر مایوس ہوکر
تمام کو مجبوراً ہم واپس ہوتے ۔

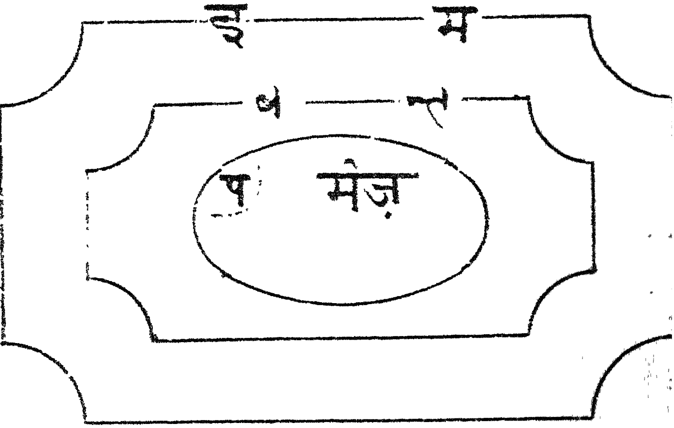
لیکن اسکے باوجود اپنی دھن کا پکا اور بات کا پورا شمیم پھر کہے جاتا تھا ۔
ہ مایوسی کفر ہے ۔ ہم اگر آج کامیاب نہ ہوئے تو انشاء اللہ کل ضرور ضرور مقصود پا لینگے
بھی آج کی کوشش بلیغ کے باوجود وہ مزید کوشش کا متمنی تھا ۔

دوسرے روز علی الصبح اسنے سٹر پیٹر کو علیحدگی میں کچھ ہدایات دیکر کہیں بھیجا اور
ہم دوبارہ پھر عشرت محل پہنچے لیکن شمیم نے ہم سب کو قطعی معطل سمجھکر تلاش میں
حصہ لینے سے باصرار منع کر دیا ۔ کیونکہ وہ خود ہی ہر ایک چیز کو بغور دیکھنا چاہتا
تھا ۔ متعدد کمرے دیکھنے کے بعد آخر کار وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچا ۔ جو اپنی عمدہ
آرایش کیوجہ سے دوسرے کمروں سے کچھ ممتاز تھا ۔ ادھر ادھر کامل ایک
گھنٹہ کی تلاش کے بعد جب اسنے میز پر رکھے ہوتے ہر معمولی سے معمولی کاغذ
کو جانچا ۔ تو شاید وہ سراغ نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا ۔ کیونکہ اس نے ہمیں
اپنے قریب بلاکر جاذب (Blotting) کا ایک معمولی ٹکڑہ دکھایا جسے
بالکل بیکار اور فضول سمجھکر میں گذشتہ کل کی تلاش میں نظر انداز کر چکا تھا
جس پر سرخ اور نیلی روشنائی کے دھبوں کے علاوہ نیلی روشنائی سے ہندی
زبان میں لکھی ہوئی ایک الٹی اور مٹی مٹی سی عجیب تحریر تھی ۔ جو یک نظر سمجھ
میں نہ آسکی ۔ کیونکہ کسی نے اس تحریر کو کسی کاغذ پر لکھکر اس جاذب سے خشک کیا

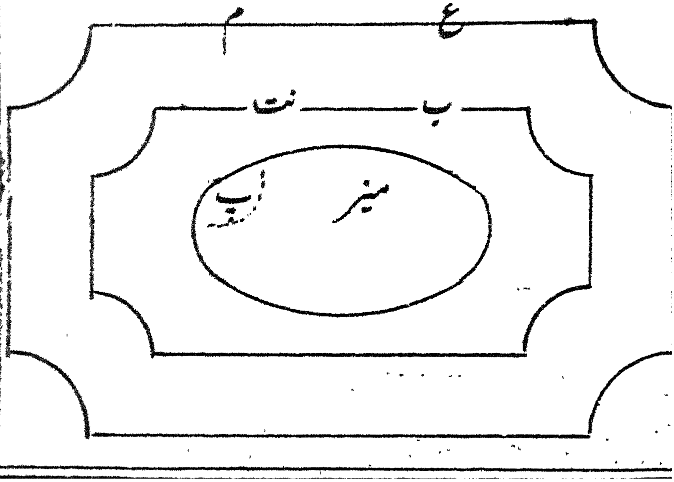
تھا۔ لیکن جاذب مستقل ہونے کے باعث اس عبارت کو تمام وکمال جذب
نہ کرسکا بہرحال جو کچھ ہمنے دیکھا وہ کچھ عجیب گورکھ دھندا تھا۔



انگریزی کے علاوہ اردو فارسی کے مانند شمیم نے اپنے وطن کی قدیمی
زبان ہونے کے سبب ہندی اور سنسکرت کا بھی کافی مطالعہ کیا تھا
اس لئے قیصر و پریم کی پیش کردہ امداد کو نظرانداز کرکے اس نے خود ہی
میز پر رکھے ہوئے سادے کاغذ پر مذکورہ الٹی عبارت کو سیدھا
تحریر کیا۔




قیصر و پریم کے ساتھ وہ کافی عرصہ اس پر غور کرتا رہا۔ لیکن چونکہ
میں ہندی سے ناواقف تھا۔ اسلئے میرے سمجھنے کے لئے اس نے
اس کا اردو ترجمہ کر دیا۔



اردو ترجمہ کے بعد میں نے بھی اسے سمجھنے کے لئے کافی دردسری کی۔ لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ آخر کار شمیم نے مجھے سادہ کاغذ اور پنسل دی کہ جو کچھ وہ بولتا جائے میں اُسے نوٹ کر لوں۔

شمیم۔ پہلا چوکور دائرہ بنا کر ع۔ م کی بجائے اسیر عشرت محل لکھیئے اور بیضوی میز کی اندرونی پ کو پائے سے تبدیل کر دیجئے۔

---

لکھ چکے آپ ؟

---

اب اگر درمیانی دائرہ کی تحریر سمجھ میں آجائے تو ہم یقیناً اس طلائی ٹکڑہ کو پا لیں گے لیکن فقرہ کے درمیانی حرف جاذب پر نمایاں ہوتے تھے اسلئے "ب نت" سے مطلب اخذ کرنا سخت دقت طلب تھا۔ کافی وقت گذر جانے کے بعد بھی ہم کچھ نہ سمجھ سکے۔ آخر کار وہ خود ہی قیصر و پریم سے مخاطب ہوا۔

شمیم۔ میں چند دریافت طلب سوالات آپ سے بیان کرتا ہوں لیکن لب کشائی سے قبل آپکو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ تمام گفتگو تفصیل طلب ہے۔ اسلئے اپنے جملوں کو مختصر بنانے کی کوشش نہ کیجئے گا کیونکہ میری کامیابی آپ کی معلومات پر منحصر ہے۔

ان دونوں نے اقرار کرنے پر اس نے کہا۔

شمیم۔ موجودہ شکل میں عشرت محل دوبارہ کب تعمیر کیا گیا۔

قیصر۔ جنت نصیب مہاراج بلونت سنگھ کے والد ماجد مہاراج دلیپ سنگھ جی نے اُسے ایک انگریز انجنیر سے تعمیر کرایا تھا لیکن اسکے بعد خود مہاراج

ونت سنگھ نے بھی میری زیر نگرانی اس کی آرائش میں کافی روپیہ صرف کیا
اسی زمانہ میں یہاں بہت کچھ تغیر و تبدل کیا گیا تھا۔ عوام کے علاوہ خود مجھے
بھی اسی وقت معلوم ہوا کہ عشرت محل میں سرنگوں، تہ خانوں اور زمین دوز
ستون کے علاوہ اور بھی بہت سے اسرار ہیں جن کی تلاش میں ہم نے کافی وقت
صرف کیا۔ لیکن اسکے باوجود ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی ہماری معلومات
نامکمل ہے۔

نسیم۔ مہاراج بلونت سنگھ کے بعد اس پر کون قابض رہا؟

قیصر۔ کسی خاص شخص کا قبضہ نہ تھا۔ بلکہ شاہی خاندان کے تمام افراد حسب
دستور موسم برشگال میں بغرض تفریح یہاں آکر قیام کرتے اور چلے جاتے تھے

نسیم۔ راجکماری پریم لتا آپ بتائیے۔ کبھی آپ بھی یہاں قیام پذیر ہوئی ہیں
اگر جواب اثبات میں ہے۔ تو دوران قیام میں آپ کو کسی پراسرار واقعہ یا کسی
ناقابل فہم چیز سے تو واسطہ نہیں پڑا؟ جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔ کہ عشرت محل
ان گنت اسرار کا حامل ہے۔

پریم۔ گو خاندان کے دیگر افراد یوں ہی یہاں آکر رہ جاتے تھے لیکن میں عموماً موسم بہار
میں یہاں رہتی تھی جبکہ صحرا پر کیف شباب چھایا ہوتا تھا اسلئے دن اور رات کا بیشتر حصہ
کے ہمراہ باہر جنگل ہی میں قدرتی مناظر دیکھنے یا شکار کھیلنے میں صرف ہو جاتا
تھا۔ اسکے علاوہ میں یوں بھی دوسروں کے وارڈ میں جانے کی بہ نسبت اپنے
کمرے کو ترجیح دیتی تھی۔ جس کے برابر ان کے نام پر موسوم خدہ کرشن بھون
واقع ہے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شمیم۔ کیا کہا؟ کرشن بھون

تو کیا اور لوگوں کو بھی اسی طرح مختلف کرے تقسیم کر کے ان کے نام علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے؟

پریم۔ جی ہاں یہ کمرہ جس میں آپ کھڑے ہوئے ہیں۔ ملحقہ کمروں اور باہر کے رفیع الشان صحن سمیت سینئر مہارانی کی ملکیت سمجھی جاتا تھا اور اسی طرح مہاراج بلونت سنگھ . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . .

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن معلوم اس مواخرالذکر نام میں کیا کہربائیت پوشیدہ تھی۔ کہ شمیم چونک کر اپنی جگہ اچھل پڑا مسرت وانبساط کی جھلک اسکے چہرہ پر نمایاں تھی۔ اس نے قطع کلام کر کے مجھ سے کہا۔

ب   نت کے درمیان   لو  - لکھ کر کاغذ مجھے واپس دیدیجئے

میں نے اس کی حسب خواہش "ب نت" کو "بلونت" لکھکر کاغذ واپس دیدیا۔

شمیم۔ (پریم و قیصر سے مخاطب ہو کر) بلونت   بھون تک ہماری رہنمائی کیجئے۔ وہاں میز کے مغربی شمالی پائے کے اندر آپ کا مطلوبہ طلائی ٹکڑا موجود ہے۔ فرط استعجاب سے ہم حیرت کی تصویر بنکر رہ گئے۔ لیکن وقت ضائع کرنا اسے ناگوار خاطر تھا۔ اس لئے ہم لوگ فوراً بلونت   بھون روانہ ہوئے۔

# چودھواں باب (۱۴)

# پر اسرار بہرام

صحن ختم کرنے کے بعد جب میں نے آگے بڑھکر کمرے کا دروازہ کھولا۔ تو حیرت سے میری چیخ نکل گئی۔ اور سر چکرانے لگا

میز کے قریب کوئی شخص اپنے سر کو کسی قدر آگے کو جھکائے کھڑا ہوا مغرب شمالی پائے میں پیوست شدہ پیچوں کو کھول رہا تھا۔

لیکن کوئی کون؟

وہی عدیم المثال عیار بہرام

آہٹ سے اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر کہا۔

مسٹر شمیم خوش آمدید

آپ کو میرا شکر گذار ہونا چاہیے اگر آپ کی رہنمائی کے لئے میں جاذب پر تحریر کا وہ مدہم عکس نہ چھوڑ آتا تو آپ ہی فرمایئے کہ آپ میری کامیاب رفتاری سے کچھ ہی پہلے آکر مجھے نیاز حاصل کرنے کا موقعہ کیوں دیتے؟

اسے بھی شاید نرائن کی چھوڑی ہوئی کسی تحریر سے آج ہی طلاقی

ٹکڑے کی موجودگی کا علم ہوا تھا۔ اور اُسنے اپنا لوہا منوانے کے لئے نہایت دیدہ دلیری سے اسکا عکس وہیں چھوڑ دیا تھا۔

ایک دوسرے کی قدر وقیمت سے بخوبی واقف یہ دونوں دوست۔ شمیم و بہرام، مدت مدید کے بعد آج یہاں ملاقی ہوئے تھے۔ شمیم نے اپنی عادت کے موافق اسکے حیرت میں ڈالدینے والے الفاظ کا ذرا بھی اثر نہ لیا۔ حالانکہ ہم سب سخت متحیر تھے۔

اس اثنا میں وہ کھوکلے پائے کے اندر سے طلائی ٹکڑا نکال چکا تھا۔ اسکی خیرہ کن جھلک ایک نظر دیکھی۔ اور پھر اُسنے اسے جیب میں ڈالا۔

شمیم۔ آپ کی اس صحیح رہنمائی پر اظہار تشکر کے لئے میری زبان قاصر ہے ..........

بہرام نہیں نہیں تکلف نہ برتئے۔ قدیمی نیازمند ہونے کے باعث یہ میرا فرض تھا۔ جو میں نے ادا کیا ———

——— اور اب عرصہ کے بعد آپ کو دیکھکر جسقدر مسرت ہوئی۔ اسے وہی کچھ خوب سمجھ سکتا ہے۔ جو آپ کے کار نمایاں کو عقیدت کی نظر سے دیکھتا ہو ———

——— اچھا تو یہ ہیں آپ کے وہ دوست مسٹر قیصر دیوان ریاست جن کے دولت کدہ پر میں نے کل صبح ناشتہ کیا تھا ——— اور یہ راجکماری پریم ہیں ——— معاف کیجئے آپ دونوں

کشرت کہ میں نے ابھی تک آپ لوگوں کو اپنا نام نہیں بتایا۔ دراصل یہ خدمت میرے قدیم کرم فرما مسٹر شمیم کو اپنے ذمہ لینی چاہیے تھی لیکن خیر کشرت کہ رے وہ بیچارے ان معاشرتی پابندیوں کو پورا کرنے کے ناقابل ہیں۔

بہر حال یہ ناچیز جو کل تک شہر تک ... بے اسے بہرام کہتے ہیں۔

شہزادی صاحبہ مجھے گفتگو میں مشغول پاکر آپ ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی خواہشمند ہیں لیکن نہیں جانتیں کہ پستول و بندوق میرے لئے بچوں کے کھلونے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ جس پستول پہ نازاں ہیں۔ اسے ذرا کھول کر دیکھئے۔

آپ نے جو گولیاں ... اس میں بھری تھیں۔ دیکھئے۔ اس وقت وہ سب میری جیب میں ہیں۔

پریم لتا کا پستول اس وقت حقیقتاً خالی تھا اور اسکی گولیاں بہرام کی جیب میں موجود تھیں جنہیں اس نے لاپرواہی سے میز پر ڈال دیا۔

بہرام۔ شہزادی صاحبہ انہیں بحفاظت رکھیے۔ وقت پر کام آئیں گی اچھا تسلیم میرے دوستوں انشاءاللہ پھر ملاقات ہوگی۔

مذکورہ فقرے کہکر وہ میز سے دو قدم پیچھے ہٹا اور ساتھ ہی

اس کی پشت کی دیوار میں ایک قد آدم دروازہ نہ معلوم کس طرح پیدا ہو گیا جس میں وہ داخل ہونا ہی چاہتا تھا۔ کہ قیصر نے پھرتی سے پستول داغ دیا لیلی دبی گھوڑا چلا لیکن بیکار۔ گولی اس میں بھی موجود نہ تھی۔

بہرام نے مسکرا کر اسے دوبارہ فرشی سلام کیا۔ اور پیچھے ہٹ کر دروازہ میں غائب ہو گیا۔

گو قیصر و پریم اس کے جاتے ہی بجلی کی تیزی کے مانند جھپٹے لیکن غائب شدہ دیوار سے جو گھوم کر اپنے محور پر آ چکی تھی ٹکرا کر رہ گئے۔

شمیم نے نہایت متانت سے انکو ان بیکار کوششوں سے باز رہنے کی تاکید کی۔ کیونکہ تاریخ عشرت محل کے مطالعہ سے وہ خود اس قسم کے دروازوں کے متعلق کافی معلومات رکھتا تھا۔ چنانچہ دیوار کے قریب زمین میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ ہم بہ عجلت اس میں داخل ہو کر اسی سرنگ میں پہنچ گئے۔ جہاں اس سے قبل کئی مرتبہ آنے کا اتفاق ہو چکا تھا۔

چالاک مجرم پائپ تک پہنچ چکا تھا۔ ہماری آہٹ سے اس نے رفتار تیز کر دی۔ اور فولادی دروازے سے نکلکر اُسے دوسری طرف سے بند کر دیا۔ شمیم نے پوشیدہ بٹن سے بدقت اسے کھولا مگر شاطر چور اس عجیب نشان × لگے ہوئے دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔

قیصر و پریم اسے پکڑنے یا شاید سکہ حاصل کرنے کے لئے ہماری

بہ نسبت بہت زیادہ بے تابی کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے تعاقب جاری رکھنے کے لئے مذکورہ دروازے میں داخل ہونا چاہا۔ لیکن شمیم نے مسکرا کر انہیں روک دیا۔

**قیصر**۔ مسٹر شمیم ہمارا تساہل اس کی فراری میں مددگار ثابت ہوگا۔ آیئے تعاقب میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

**شمیم** (مسکرا کر) آپ کی طرح معاملات سے تغافل برتنا میری عادت میں داخل نہیں۔ سرنگ کے دروازہ پر مسٹر پٹر اسکے استقبال کیلئے موجود ہے۔

قیصر اسکے لاجواب کر دینے والے فقروں پر متعجب رہ گیا اور اسکے چہرہ پر شرمندگی نمایاں ہوگئی۔

اسی اثنا میں کہیں دور سے ——————

—————— یا شاید سرنگ کے دروازے سے آتی ہوئیں سیٹی کی تین آوازیں متواتر سنائی دیں۔

**شمیم**۔ اظہار اطمینان کی ان تین آوازوں سے آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ آپ کا ملزم شاید ہمارے قیصر پیلس میں پہنچنے سے پہلے ہی پابہ زنجیر وہاں پہنچا دیا جائیگا۔

اس سہل ترین طریقہ گرفتاری پر ہم سب متعجب تھے لیکن بد قسمتی سے سرنگ میں داخل ہو جانے کے بعد وہ بے بس کر ہی کیا سکتا تھا جبکہ سرنگ کے دونوں دروازوں پر حریف موجود ہوں۔

واقعی ہمارے پہنچنے سے چند سیکنڈ پہلے ہمارا شاطر حریف مسٹر پٹر اور

پولیس کی نگرانی میں پابہ زنجیر وہاں پہنچا دیا گیا تھا۔

طوق وسلاسل سے آراستہ وہ آرام کرسی پر بیٹھا ہوا نہایت اطمینان و سنجیدگی سے ہماری آمد کا منتظر تھا۔ ہمارے آتے ہی اُسنے متانت آمیز لہجہ میں شمیم سے خطاب کیا کہ:۔

گرفتاری کے باوجود اگر میں چاہتا تو سکہ کو بغیر کسی دقت کے پوشیدہ طور پر غائب کر سکتا تھا۔ لیکن راہ میں ان لوگوں کی زبانی تمام واقعات سنکر مجھے معلوم ہوا۔ کہ نرائن دھوکہ وفریب سے کرشن کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلہ میں اس نے بارہا کرشن و پریم کی زندگی کے پیمانے کو لبریز کرنے کے لئے انسانیت سوز حرکات کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے علاوہ مہاراج بلونت سنگھ کے قتل کے واقعات سنکر مجھے معلوم ہوا کہ انصاف کرشن کے حق میں ہے۔ اسلئے میں آپ کو وہ طلائی ٹکڑا دیدینا چاہتا ہوں۔ تاکہ وقت مقررہ پر آپ لوگ کرشن کو تخت نشین کر سکیں۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

مسٹر پٹر نے جو اپنی کامیابی پر نازاں تھا قطع کلام کر کے ازراہ تمسخر اس سے کہا۔

گویا آپ انگوروں کے کھٹا ہونے کے قائل ہیں۔ اور اگر میرا خیال غلط ہے۔ تو آپ ہی فرمایئے۔ کہ گرفتار ہو جانے کے بعد کرشن و پریم سے مجبوراً ہمدردی کرنا کیا معنی؟ کیونکہ جب آپکے دست و پا کر دیئے گئے۔ تو طلائی سکہ بہر حال وصول کر لیا جائیگا۔

بہرام۔ (مسکراکر) صاحبزادے تمہیں بجا طور پر خوش ہونا چاہئے کیونکہ تمنے آج دنیا کے ایک ایسے رفیع المرتبت ہرفن کو گرفتار کیا ہے۔ لیکن پھر ناتجربہ کار ہو۔ اسلئے بساط سے زیادہ زبان چلانی نامناسب ہے۔ چونکہ تم اپنی ہرامکانی کوشش کے باوجود بھی اپنی مطلوبہ چیز میرے پاس نہ پا سکوگے

سٹریٹر اسکی گفتگو کو غلط بیانی پر محمول کرکے اسکی تلاشی لینے کے لئے آمادہ ہوا لیکن شمیم بخوبی واقف تھا۔ کہ وہ کبھی دروغ گوئی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نے سے اشارے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

بہرام۔ اتفاقیہ گرفتاری کی ذلت کے بعد تلاشی دینے میں بھی کوئی مضایقہ نہیں بلکہ یہ تلاشی اس نادان لڑکے کی معلومات میں ایک بہت بڑے اضافہ کا باعث ہوگی۔ کہ بہرام جیسا دنیا کا بین الاقوامی چور سچ کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے اور کیا عجب کہ مجھ سے سبق سیکھکر یہ خود بھی ہمیشہ جھوٹ بولنے سے نفرت کرنے لگے۔

جیسا کہ ہمارا خیال تھا۔ سٹریٹر کی تمام کوشش بیکار ثابت ہوئی اور سکہ ——— وہ کہیں دستیاب نہ ہوا۔

بہرام۔ کمسن عزیز۔ تم اپنے گردو پیش کے واقعات سے بے خبر رہتے ہو تمہارا مطلوبہ سکہ مجھے تمہاری اندرونی جیب میں ڈالے ہوئے پندرہ منٹ ہوچکے۔ لیکن تمہیں اسکی موجودگی کا احساس نہوا۔ یہ تمہاری غفلت کا ادنی ثبوت ہے ——— اور پھر تغافل شعاری کے بعد لاف زنی سونے پر سہاگہ ہے۔ کیوں کیا تمہیں اپنی جیب میں سکہ کی

تلاش کا خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ میرے گرفتار ہونے کے باوجود تم وقت ضرورت جب جیب میں ہاتھ ڈالتے۔ تو وہ وہاں سے علیحدہ کیا جا چکا ہوتا۔ اس لئے آئندہ ہر مجرم کے ہمراہ محتاط رہا کرو۔ ورنہ مسٹر شمیم کی شہرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ (شمیم سے) کرشن و پریم کو حق بجانب سمجھکر سکہ حاضر کر دیا گیا۔ البتہ قلعہ کی نادر الوجود چیزوں سے میں کسی طرح دست بردار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نرائن انکو میری نذر کر چکا ہے۔ اسکے علاوہ اس معاملہ میں میرا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو چکا اسلئے حقیقتاً اب وہ میری ملکیت ہیں۔ اسی وجہ سے قبل از وقت میں قیصر صاحب کو انتباہ کئے دیتا ہوں کہ وہ ان تمام چیزوں کی کافی حفاظت کریں۔ کیونکہ دہلی کی چند ضروری مصروفیتوں کے باعث میں ۲۸ راکتوبر کو کھنڈری کی درودیوار پر حسرت کی نظر ڈالتا ہوا معہ ان شاہان سلف کی یادگار کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ سکہ ملجانے کے بعد آپکی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اسلئے براہ کرم اب میری کارگذاری ملاحظہ

کیونکہ کرشن کی مزاج پرسی کے لئے ہمیں شکارگاہ جانا تھا۔ اس لئے اُسے جلدی جیلخانہ رخصت کر دیا گیا۔ لیکن شکارگاہ میں کرشن کی حالت بدستور تھی۔ اور تاجپوشی کے لئے دو چار روز میں افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اسلئے ہمشکل ہونے کے باعث میری تاجپوشی کے انتظامات مکمل کئے جانے لگے۔ اور بہرام کے لئے پولیس کی کافی جمعیت کے علاوہ حفظ ماتقدم کے طور پر قیصر نے دہلی سے چند پرائیویٹ جاسوس بلا کر عجائب گھر اور جیلخانہ پر متعین کر دے تاکہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے خصوصاً جیلخانہ پر

زبردست پہرہ تھا۔ کہ کہیں وہ فرار ہو جائے۔ یا بیرونی دنیا سے نامہ و پیام کرنے کے لئے کوئی راہ نہ پیدا کرے۔ جیسا کہ اپنی پچھلی چند روزہ گرفتاریوں کے زمانہ میں ہمیشہ اسنے اپنی پارٹی سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا تھا لیکن شمیم کی سفارش پر اس کے آرام وآسایش کے لئے جیلخانہ میں ہر قسم کی سہولت مہیا کی گئی تھی۔ جس کے اظہار تشکر کے طور پر اسنے اسی گلابی رنگ کے مخصوص لفافہ کے ذریعہ ہمیں اپنے دلی شکریہ کی اطلاع دی۔

لفافہ کی آمد پر قیصر کے چونکنے کے علاوہ ہم بھی متعجب تھے قیصر جاننا چاہتا تھا کہ رسل ورسائل کی تمام راہیں مسدود کر دیئے کے باوجود اس نے یہ لفافہ ہمیں کس کے توسط سے روانہ کیا ہے۔ چنانچہ دریافت حال کے لئے وہ خود جیلخانہ میں جاکر اس سے ملاقی ہوا۔ واپس آکر اس دلچسپ گفتگو کے متعلق جو کچھ اسنے بتایا۔ وہ یہ تھا۔ کہ جب وہ اسکی کوٹھڑی میں پہنچا۔ تو بہرام صبح کے ناشتہ میں مشغول تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اسنے کھانا ختم کر دیا۔ اور مسکرا کر کہنے لگا!۔

خوش آمدید مسٹر قیصر۔ میں بدل ممنون ہوں کہ آپ نے میری وجہ سے اس ذلیل ترین جگہ تشریف ارزانی فرمائی۔

قیصر۔ شکریہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں ایک معمہ کو سلجھانے کے لئے تم سے کچھ دریافت کرنے آیا ہوں۔

بہرام۔ حل طلب معموں کے لئے تو میرے واجب التعظیم دوست مسٹر شمیم آپکے پاس موجود ہی ہیں ——————

اور اگر کوئی بات خاص طور پر مجھ ہی سے پوچھنی ہے۔ تو میں حاضر ہوں۔
آپ تشریف رکھیئے !! قیصر کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے پھر کہا۔
گمان غالب تھا کہ مسٹر شمیم فرصت کے اوقات میں کبھی کبھی مجھے یہاں
شرف میزبانی بخشیں گے۔ لیکن خیر چونکہ آپ بھی شریف آدمی ہیں اسلئے
یہ تھوڑا سا وقت امید ہے کہ خوب گذریگا۔ کیونکہ میں ان بیوقوف پہرہ داروں اور
جاسوسوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ جو اس فکر میں غلطاں رہتے ہیں کہ کہیں
میں کسی دوست سے نامہ و پیام نہ کر بیٹھوں یا ہر وقت میری فراری کے
خواب دیکھا کرتے ہیں۔ حالانکہ میں وقت مقررہ سے پہلے اس عارضی سرائے
سے رخصت ہونا ناپسند کرتا ہوں۔
قیصر۔ اس طرح وہ اپنا فرض منصبی پورا کرتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود میں
متحیر ہوں کہ تمنے۔ وہ لفافہ کس طرح بھیجا۔
بہرام۔ غالباً آپ اس مختصر معمولی تحریر کی طرف اشارہ کر رہے۔ جو بطور
اظہار تشکر میں نے مسٹر شمیم کو روانہ کی تھی۔
قیصر۔ (متعجب ہوکر) کیا مختصر اور معمولی
بہرام۔ جی ہاں بالکل معمولی اور مختصر تحریر تھی غالباً آپ مختلف اخبارات
میں شائع شدہ ان طویل مضامین کو دیکھکر تسلیم کرینگے۔ کہ وہ مختصر پرچہ
لکھنا میرے لئے حقیقتاً معمولی سی بات تھی۔
یہ کہکر اس نے تیج اور زمیندار کے پرچے نکالکر قیصر کے سامنے ڈالدے۔
جو نمعلوم کس طرح اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔

اخباروں میں اسکے طویل مضامین دیکھ کر وہ شرمسار ہو گیا۔ ان تحریروں
کو دیکھکر معلوم ہوا۔ کہ نرائن کی جانب سے ریاست کے معاملات میں دخل
انداز ہونے پر وہ دراصل شرمندہ تھا۔ کیونکہ اس نے بہرام کو اپنی امداد پر آمادہ
کرنے کے لئے غلط واقعات گوش گذار کئے تھے۔ لیکن جب اسے اس
شرمناک دروغ گوئی کا حال معلوم ہوا تو اسنے فریق ثانی سے ہمدردی کی
حاصل کردہ طلائی ٹکڑا انگوٹھی واپس دیدیا۔

اس کے علاوہ جیلخانہ میں رہنے کے باوجود اُسنے ۲۸ اکتوبر کو لائٹ
آف ایشیا دیکھنے کے لئے دہلی کے نیو رائل سینما میں اپنے لئے جگہ
محفوظ کرالیا تھا۔ اور اسکا دعوی تھا کہ مقررہ وقت تک قلعہ کے تار
جواہرات کے علاوہ قیصر پلیس کے مطلا پردے لیکر جو اپنی نظیر آپ
ہیں وہ ۲۸ اکتوبر کو ضرور دہلی پہنچ جائیگا۔ خواہ انکی حفاظت کے لئے کتنے
شاندار انتظامات کیوں نہ کئے جائیں۔

اور جیلخانہ کے اس مختصر قیام کے متعلق بھی اُسنے ایک عجیب انکشاف
کیا تھا۔ کہ سب کمیٹی جیلخانہ جات ریاست ہائے ہند کے عینی شاہد کی حیثیت
سے وہ خود چند روز جیلخانہ میں رہ کر وہاں کے صحیح حالات کا مشاہدہ کرنا
چاہتا تھا۔ تاکہ اس رپورٹ کی تیاری میں کافی مدد بہم پہنچائی جاسکے
جو سب کمیٹی کی جانب سے وہاں کی زبوں حالت کی ایک تصویر دکھانے
کے لئے عنقریب مجلس مقننہ میں پیش ہونے والی تھی۔

قیصر۔ زیر حراست ہونے کے باوجود مسٹر شمیم کی مراعات کے باعث

تم بالکل آزاد ہو۔ ورنہ اخبارات کے لئے مضامین تحریر کرنے اور پھران کا شائع ہوکر یہاں پہنچ جانا . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

بہرام۔ (مسکراکر) آپکو چراغ پا نہونا چاہئے۔ بلکہ اگر ہماری اس رپورٹ سے اس زبون حالت کی کچھ صلاح ہو جائے تو آپ جیسے رحم وکرم کے ٹھیکیداروں کو ہمارا شکر گذار ہونا چاہئے ————————

———————— رہیں مراعات تو آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ میں کسی رعایت سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا اپنی توہین کے مترادف سمجھتا ہوں اگر آپ اپنی مراعات کو واپس لیکر مجھے ایک معمولی قیدی متصور کریں تو مجھے رپورٹ کے لئے مواد حاصل کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔ کیونکہ موجودہ آسائشوں کے باعث میں شاید صحیح تصویر اتارنے سے قاصر رہوں۔

قیصر۔ تو کیا تم رپورٹ کی تیاری میں امداد پہنچانے کی غرض سے یہاں مقیم ہو؟

بہرام۔ نرائن کی درخواست پر میرے یہاں آنے کی سب سے بڑی غرض وغایت ہی یہی تھی۔ کہ اس کی امداد سے اپنی رپورٹ کو مکمل کروں لیکن اسکی اچانک موت کے بعد حصول مقصد کے لئے میں نے اپنی گرفتاری مناسب سمجھی اور محض اس ہی لئے یہاں مقیم ہوں ورنہ جن طریقوں سے اخبارات کو مضامین یا اپنے ماتحتوں کو ہدایت جاری کرتا ہوں۔ اسی راہ خود بھی جانا چاہتا ہوں لیکن اس ضروری رپورٹ سے احتراز ناممکن ہے ————————

———————— آپ خود خیال فرمائیے۔ کہ مجھ جیسا مصروف شخص جسکا

ایک ایک لمحہ آپ سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اس آسانی سے گرفتار ہو جاتا تو

اور پھر یہاں پڑا ہوا بیڑیاں رگڑا کرتا۔

**قیصر**۔ میرے خیال میں سخت پاسبانی کی وجہ سے تم فرار نہ ہوسکے ہوگے۔ ورنہ
ایسی جگہ رہنا کون پسند کرتا ہے۔ اور پھر ایک نہایت ہی معمولی چیز کے
لئے . . . . . . . . . . . . . . .

**بہرام**۔ آپ خود سمجھیے۔ [illegible] بہر حال کام ہے۔ اور خصوصاً یہ رپورٹ
بہت اہم ہے۔ اگر چند روز تک خود یہاں مقیم رہتا۔ تو مجھے معلومات ہرگز
حاصل نہ ہوسکیں گی۔ آپ نے حقیر چیز خیال فرماتے ہیں۔ لیکن سوچیے۔ کہ بہیر
بنی نوع انسان کا کس قدر زبردست دشمن ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ یہ رپورٹ آپکے
عالیشان ایوان سلطنت میں پہنچ گئی۔ اور اس کے بعد سے قوانین کی رو
سے آپ حضرت یقیناً انصاف کی طرف متوجہ ہونگے ——————

رہ گئے آپ کے پاسبان تو میرے خیال میں وہ بالکل بیکار ہیں آپکے اصرار
کیوجہ سے یا شاید خود نہایت ضروری سمجھ کر وہ دن میں کئی مرتبہ میری
تلاشی لیتے ہیں۔ لیکن بہر حال [illegible] ادھر سے آنے
والے کھانے کی تلاشی [illegible] پر اکتفا کرتے ہیں [illegible]۔ آپ خود ہی خیال
کیجیے۔ کہ تلاش کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے؟ کچھ نہیں۔ آتے ہیں اور مایوس ہو
جاتے ہیں۔ حالانکہ [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] سے وہ [illegible]
ہیں۔ اور پھر شاغ [illegible] بیوقوف و نادان
ہرگز نہیں بن سکتے [illegible] اس وقت خط

لکھا۔ یا کب سینما میں بکس محفوظ کرایا گیا۔

قیصر۔ بیشک یہ سب کچھ صحیح ہے۔ کہ تمنے انکی آنکھوں میں خاک جھونک کر بیرونی دنیا سے محیر العقول طریقہ سے ساز باز جاری کر رکھی ہے لیکن میں پھر کہونگا۔ کہ یہ سب خود ہماری غلطی تھی اگر مسٹر شمیم کے اصرار پر تمہیں مراعات نہ دی جاتیں۔ تو تم اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہو سکتے۔ آیندہ کے لئے تمام مراعات منسوخ کی جاتی ہیں۔ نہ بانس ہوگا۔ نہ بنسری بجے گی۔

بہرام۔ لیکن حصول مقصد کے لئے بانس مہیا کر کے میرے لئے بنسری بنالینی مشکل نہیں ہے ——— یاد رکھئے مقررہ وقت تک میری معلومات ضرور مکمل ہو جائینگی اور پھر اسکے بعد جیلخانہ کی صعوبت میرے لئے ناقابل برداشت ہے اسلئے قلعہ کے نادرات اور مطعلا پردوں کی حفاظت کے لئے کافی انتظام کیجئے۔ کہ آپکی شدید حفاظتی تدابیر کے باوجود ان پر قابض ہونے کی صدہا ترکیبیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ یقین کیجئے دنیا کی کوئی طاقت میرے ارادے میں مزاحم نہیں ہوسکتی ———

——— اچھا اب میں آپکو کافی وقت دے چکا۔ اسلئے اس سلسلہ گفتگو کو ختم کیجئے ———

——— لیکن اگر تکلیف نہو تو لیجئے۔ تاجپوشی کے روز مسٹر کرشن ——— نہیں بلکہ مسٹر سلیم کو کہ وہی ہز ہائنس کا پارٹ ادا کرینگے۔ میری طرف سے یہ حقیر تحفہ بطور نذر دیدیجئے گا۔

یہ کہکر اسنے جیب سے ایک نفیس ریشمی رومال نکال کر کرسی پر بچھایا۔ پھر

ایک چھوٹی سی پاکٹ بک میں سے دو ہزار روپے کے دو نوٹ نکال کر قیصر کو دیدیئے

قیصر رومال۔ پاکٹ بک اور نوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ یہ سب چیزیں خود اسکی اپنی تھیں۔ اور چند منٹ پہلے جب اس نے جیب سے سگریٹ کا بکس نکالا تھا تو یہ تمام چیزیں بھی اپنی جگہ بدستور موجود تھیں۔

قیصر۔ (سخت متعجب ہوکر) یہ تحفہ یقیناً تمہاری طرف سے ؟

بہرام۔ کیوں اس میں تعجب بھی کیا ہے ؟ کیا آپ انکار کرتے ہیں۔ کہ میں نے نذرانے کے لئے آپ کو دو ہزار روپے کی حقیر رقم نہیں دی —— مجھے یقین ہے کہ یہ تحفہ بالکل اسی طرح نقلی ہزہائینس تک پہنچا دیا جائیگا۔

قیصر نے بغیر کچھ جواب دیئے نہایت اطمینان سے نوٹ جیب میں ڈال لئے لیکن جیب میں گھڑی بھی موجود نہ تھی۔ اسنے متحیر ہوکر پوچھا۔

قیصر۔ لیکن میری گھڑی کیا وہ بھی آپ کے پاس ہے ؟

بہرام۔ جی وہ میری جیب میں موجود ہے۔ اگر آپ کو شدید ضرورت ہے تو لے جائیے ورنہ میری طرف سے جان کے چچیرے بھائی اور دہلی سے بلائے ہوئے مہمانوں کو تحفتاً دیجئے کیونکہ وہ صحیح وقت معلوم ہونے کے سبب شکار کا وقت گزرنے سے قبل پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی جواب کے اسنے گھڑی نکال کر قیصر کو واپس کردی۔

# پندرھواں باب (۱۵)

## لفٹنٹ ہور

دربار کے انتظامات مکمل کرنے کی وجہ سے کوشش کے باوجو
ہم بہرام کی ملاقات کو نہ جا سکے۔ شہر کی آرائش کے لئے دور دور سے
ماہرین فن بلائے گئے تھے۔ جنہوں نے شاہی محل کو خوشنما رنگین پھولوں
اور اطلس کے نقری و روپہری کپڑوں سے خوب آراستہ کیا تھا۔
تاجپوشی کے مقررہ دن کرشن کی بجائے تاج و تخت سونپنے کیلئے قیصر
پریم کے ساتھ مجھے لئے ہوئے ٹھیک دس بجے بڑے ہال میں داخل ہوا۔
جہاں امراء و رؤسا جڑاؤ زیورات اور زرق برق کپڑے پہنے ہمہ تن انتظار تھے۔
رحم دل کرشن کے اصرار پر اسکے برادر عزیز کشن کو قید و بند کی صعوبت
سے آزاد کر کے دربار میں شریک ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ تاکہ مہارا
بلونت سنگھ کی وصیت کے موافق پبلک دونوں بھائیوں میں سے آ
طور پر اپنا والی انتخاب کر سکے۔
میرے داخلہ پر تمام حاضرین کھڑے ہو کر کمال ادب سے تسلیم بجا
لائے۔ اظہار مسرت کے لئے توپیں داغی گئیں۔ مبارک سلامت کا غ

مچا۔ لیکن جیسے ہی میں کرشن کے بالمقابل طلائی کرسی پر بیٹھا سب طرف خاموشی چھا گئی۔ میرے گرد و پیش سب نگاہیں نیچی کئے اور شاید سانس بھی روکے بیٹھے تھے۔ اور خود میرا دل ———— شاید

اس عارضی لیکن شاندار اعزاز پر ———— سینہ کے اندر دھک دھک کر رہا تھا اور میرے قریب پریم نتا بظاہر خوش لیکن درحقیقت کرشن کی نازک حالت کی بنا پر پریشان اور مغموم بیٹھی تھی۔

چند سکنڈ بعد قیصر نے جنت نصیب مہاراج کی وصیت اور اس کے بعد کے تمام حالات کے متعلق ایک پرزور تقریر کی جس میں پریم و کرشن پر نرائن کے کیئے ہوئے مظالم کا بھی ذکر تھا۔ بعد ازاں پبلک کی متفقہ خواہش کے مطابق ٹوٹے ہوئے سکہ کے دونوں ٹکڑے ملا کر پیوست کر دیئے گئے۔ اس کے بعد نہایت تزک و احتشام سے تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ اور نذرانے دیئے گئے۔ دوسرے روز کرشن کی تاجپوشی پر ملک معظم کی جانب سے بذریعہ تار پیغام تہنیت موصول ہوا۔

گو قیصر کے بیحد اصرار پر ہم نے چند روز مزید قیام کر لینا منظور کر لیا تھا لیکن یکایک بیگم شمیم کی علالت کی خبر ملنے کے باعث مجبوراً ہمیں واپس روانہ ہونا پڑا۔ مگر روانگی سے قبل شمیم بہرام سے ملاقات کرنے کا خواہشمند تھا۔ ... سٹر پٹر کو روانگی کے متعلق ضروری ہدایات دیکر ہم دونوں بعجلت جیلخانہ پہنچے جہاں حسب عادت مسکراتے ہوئے اس نے خیر مقدم کیا اور کہا۔

بہرام۔ اس عارضی سرائے میں قیام سے اس وقت تک مجھے ...

زیادہ خوشی کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ کہ آپنے اس ناچیز کی خاطر یہاں تشریف ارزانی کی تکلیف گوارا فرمائی۔

شمیم۔ میں جناب کے محبت آمیز خیالات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بہرام۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے یقین کیجئے میرے دل میں آپ کا کافی احترام موجود ہے۔

شمیم۔ اور میں اپنے متعلق آپکے ان قابلقدر خیالات پر بجا طور پر فخر کرتا ہوں

بہرام۔ میں نے اپنے ارباب عقیدت کے علاوہ ملک بھر کے تمام اخبارات میں ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ کہ شمیم ملک کے لئے مایہ ناز ہستی ہے۔

شمیم۔ شکریہ ——— قیصر کی زبانی لوٹ بک اور گھڑی کا واقعہ سنکر میں بہت محفوظ ہوا۔

———

بہرام۔ وہ ضرورت سے زیادہ نادان ہے ———

بھلا آپ ہی بتایئے مراعات واپس لیکر کیا بہرام کی ہمہ گیر قابلیتوں پر ضرب لگائی جاسکتی ہے؟ ——— یہ دیکھئے مراعات واپس لینے کے بعد بھی میری ڈاک مجھے برابر مل رہی ہے۔ یہ کہکر اس نے قوس قزح اور رعالمگیر کے پرچے ہمارے سامنے رکھدئے۔ اول الذکر رسالہ میں ایک تاریخی اور دوسرے میں اسکا ایک ادبی مضمون شائع ہوا تھا۔

شمیم۔ میرے خیال میں آپکو ولف ہیرے کے حالات معلوم ہونگے؟ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور کے لئے اس کی تاریخ معلوم کرنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ اُسے روس سے دوبارہ ہندوستان لانا چاہتے ہیں۔

[illegible]

لیکن میری جانب سے ہز ہائینس کو مطلع کر دیجیے۔ کہ وہ درحقیقت نقلی ہے۔

شمیم۔ کیا فرمایا؟ نقلی ہے۔ تو پھر وہ اصل ...

بہرام۔ وہ اس ناچیز کی ملکیت ہے۔ اس کی صحیح تاریخ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ یہ ہے کہ وہ کبھی ہندوستان کے ایک مندر سے حاصل شدہ مال غنیمت کے طور پر فرانس بھیجا گیا تھا۔ لیکن ایک فرانسیسی سپاہی نے اسکی خاطر اپنی پنڈلی میں شگاف کیا اور اسکو چرا لینے کے بعد اس شگاف میں احتیاط سے رکھکر ہندوستان لے آیا۔ اور یہاں ایک آرمینین تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لیکن ملکہ کیتھرین کی نذر کے لیے ۱۷۷۳ء میں شہزادہ اورلف چالیس ہزار پونڈ میں خرید کر اسے اپنے نام سے منسوب کیا۔ لیکن گردش زمانہ سے وہ پھر روس پہنچا جہاں سے براہ راست اس ناچیز نے اسے حاصل کیا ہے۔

شمیم۔ کیا مہربانی فرما کر آپ مجھے اس افواہ کی اصلیت سے بھی آگاہ فرمائیے گا کہ خواہش کے باوجود آپ کوہ نور پر تصرف حاصل نہ کر سکے۔

بہرام۔ (مسکرا کر) خواہش کے باوجود تصرف نہ پانا میں اپنے لیے باعث توہین خیال کرتا ہوں۔ اسے حاصل کرنے کا خیال مجھے آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ ایک عورت کی ملکیت ہے۔ ورنہ وہ اب تک بہرام کے پاس آ چکا ہوتا۔

شمیم۔ لیکن شہنشاہ جارج پنجم کے تاج کی زینت ہونے کی بجائے صرف ملکہ میری کے تاج میں منسلک ہونے کے باعث وہ عورت کی ملکیت قرار

ہیں دیا جا سکتا۔

بہرام۔ (مسکراکر) ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۵۰ء میں اُسے ملکہ وکٹوریہ کے پاس بھیجا تھا لیکن پھر خود ہندوستانیوں کی خواہش کے مطابق اُسے اُن کی ذاتی ملکیت قرار دیدیا گیا۔ عرصہ دراز تک ملکہ آنجہانی کے زیر استعمال رہنے ہی کے باعث عوام میں عام طور پر مشہور ہو گیا تھا۔ کہ ملکہ کی بجائے اگر کسی بادشاہ نے اُسے تاج میں لگایا۔ تو ہندوستان ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اسلئے مرتے وقت انہوں نے اس ہیرے کو ملکہ الیگزینڈریہ کے سپرد کیا۔ کہ اپنے بعد آیندہ ہونے والی ملکہ کو دیدیں۔ چنانچہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے بعد کوہ نور ملکہ میری کو دیدیا گیا۔ محض ملکہ کی ملکیت ہونے کے باعث میں نے اپنی توجہ اس پر منعطف نہ کی۔ اس کے علاوہ میرے پاس اس سے بدرجہا زیادہ قیمتی ہیرے موجود ہیں جو انشاءاللہ ۲۸ اکتوبر کو آپکی نظر سے گذارے جا ئینگے۔

شمیم۔ تخت طاؤس جیسی بیش بہا چیز بھی ابھی تک آپکے قبضہ میں نہیں آئی حالانکہ مشہور ہے۔ کہ آپ نادرات جمع کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔

بہرام۔ (مسکراکر) بعض ناواقف حضرات تخت طاؤس کو نایاب چیز خیال کرتے ہیں اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن دنیا میں تخت طاؤس سے بدرجہا زیادہ قیمتی ایک ایسا بے نظیر تخت بھی موجود ہے جسکا ہر مربع چھ انچ ہزاروں پونڈ کی مالیت ہے اُسے ایران کے بادشاہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے تیار کرایا تھا۔ جسے ترکی سلطان سلیم نے شکست فاش دیکر صرف پایہ تخت پر ہی قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ بیش بہا خزائن کے ہمراہ تخت مذکور کو قسطنط

پہنچا دیا۔ جہاں سے سلاطین ترکی کے خزانوں میں شامل کر لیا گیا
اُن چند مشرقی عجائبات میں نہایت اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ جن سے
معنوں میں مشرق کی قدیم عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اوپر سے نیچے
اقسام کے جواہرات سے مرصع ہے۔ اسمیں ایک بھی جوہر ایسا نہیں۔ جسے
معمولی جواہرات میں شمار کیا جا سکے۔ اس تخت میں جو سونے سے منڈھا ہوا
ہے۔ ہزاروں ہی اعلیٰ درجہ کے موتی اور لعل و یاقوت جڑے ہوتے ہیں
قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کیونکہ اسکا ہر مربع چھ انچ ہزاروں پونڈ
دو سال ہوئے ۱۹۱۸ء میں جبکہ اتحادیوں کی فوج نے قسطنطنیہ
قبضہ کر لیا تھا۔ سلاطین ترکی کے تمام خزانہ کے ہمراہ وہ تخت بھی پوشیدہ
کر دیا گیا۔ تاکہ وہ بطور تاوان جنگ اُسے اپنے قبضہ میں رکھکر کروڑوں
وصول نہ کر لیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ یونانیوں سے محفوظ رکھنے کے
اُسے انگورہ پہنچانے کی کوشش کی گئی کیونکہ یہ یقین کیا جا رہا تھا۔ کہ وہ قسطنطنیہ
کی طرف بڑھنے والے ہیں لیکن انگورہ پہنچنے کی بجائے وہ اب اس نا
کے پاس دارالسلطنت دہلی میں محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو مورخہ ۲۸
کو میں یہاں کے مطلا پردوں اور نایاب ہیروں کے ساتھ اُسے بہرام کا تخت
آپکو دکھا سکتا ہوں۔
میں۔ لیکن شاید ایسا نہ ہو سکے۔ کیونکہ قیصر نے جاسوسوں کو بہت
محتاط کر دیا ہے۔
بہرام۔ سب کمیٹی جیلخانہ جات ریاستہائے ہند کی رپورٹ مکمل کرنے کے

...نا ہیں ایک روز اور قیام کرنا مناسب سمجھتا۔ لیکن مسلمانوں میں تعلیم
...یج و اشاعت کے لئے ۲۹ر اکتوبر کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی ملت
...یہ کے عظیم المرتبت مذہبی پیشوا شیخ الہند حضرت مولانا مولوی محمود الحسن
...ب کے دست مبارک سے علیگڈھ میں جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد
...نگے۔ اس خاص اسلامی درسگاہ کے سنگ بنیاد اور افتتاح کیوقت
...پنی حاضری ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ انشاء اللہ یہ
...گاہ ہماری سیاسی اقتصادی اور معاشرتی پستی کا تیر بہدف علاج ثابت
...ا اسلئے میرے دوست ہو سکتا ہے۔ کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے
...ن یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ احقر ۲۸ر اکتوبر کے بعد یہاں رہ جائے۔
...یں۔ (بے اعتباری کے لہجہ میں) ممکن ہے۔ آپ کا خیال صحیح ہو۔
...ہرام۔ جی ہاں نپولین کی طرح ناممکن کو میں لایعنی سمجھتا ہوں۔ ۲۸ر اکتوبر کی دوپہر
...تین بجے میں شمیم لاج میں آپ سے نیاز حاصل کرونگا۔ اسکے بعد بہرام کاٹیج لیجاکر
...پ کو اپنے جمع شدہ نایاب چیزیں دکھاؤنگا جنہیں دیکھکر یقیناً آپ محفوظ ہونگے
...ور پھر ہم سب لاٹ آف ایشا دیکھنے چلیں گے۔
...یں۔ اچھا تسلیم ہم وقت مقررہ پر آپ کا انتظار کرینگے۔

شمیم نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ اور وہاں سے رخصت
ہو کر ہم قیصر پیلیس پہنچے۔ سامان تیار تھا قیصر و بہرام الوداع کہنے اسٹیشن تک
ہمارے ہمراہ آئے۔ اور روانگی سے قبل قیصر نے پچیس ہزار روپے کا چیک
بطور اظہار شکر گذاری یا حق المحنت شمیم کو پیش کیا۔

نہیں دیا جا سکتا۔
بہرام۔ ز سکراکر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۵۰ء
پاس بھیجا تھا لیکن پھر خود ہندوستانیوں کی خواہش
ذاتی ملکیت قرار دیدیا گیا۔ عرصہ دراز تک ملکہ آنجہا
ہی کے باعث عوام میں عام طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ
نے اُسے تاج میں لگایا۔ تو ہندوستان ہاتھ سے جاتا
انہوں نے اس ہیرے کو ملکہ الیگزینڈریہ کے سپرد کیا
والی ملکہ کو دیدیں۔ چنانچہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے
دیدیا گیا۔ محض ملکہ کی ملکیت ہونے کے باعث یہ
منعطف نہ کی۔ اس کے علاوہ میرے پاس اس۔
ہیرے موجود ہیں جو انشاء اللہ ۲۸ اکتوبر کو آپ کی نظر سے گ
تشنیم۔ تخت طاؤس جیسی بیش بہا چیز بھی ابھی تک آ
حالانکہ مشہور ہے۔ کہ آپ نادرات جمع کرنے کا مصم
بہرام۔ (مسکراکر) بعض ناواقف حضرات تخت ط
کرتے ہیں اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن دنیا
بدرجہا زیادہ قیمتی ایک ایسا بے نظیر تخت بھی موجود۔
ہزاروں پونڈ کی مالیت ہے اُسے ایران کے بادشاہ
تیار کرایا تھا۔ جسے ترکی سلطان سلیم نے شکست د
پر ہی قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ بیش بہا خزائن کے ہمراہ

بھجدیا۔ جہاں اُسے سلاطین ٹرکی کے خزانوں میں شامل کرلیا گیا۔ وہ حقیقۃ اُن چند مشرقی عجائبات میں نہایت اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ جن سے صحیح معنوں میں مشرق کی قدیم عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اوپر سے نیچے تک مختلف اقسام کے جواہرات سے مرصع ہے۔ اسمیں ایک بھی جوہر ایسا نہیں۔ جسے معمولی جواہرات میں شمار کیا جاسکے۔ اس تخت میں جو سونے سے منڈھا ہوا ہے۔ ہزاروں ہی اعلیٰ درجہ کے موتی اور لعل و یاقوت جڑے ہوئے ہیں انکی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کیونکہ اسکا ہر مربع چھ انچ ہزاروں پونڈ کا ہے

دو سال ہوئے ۱۹۱۸ء میں جبکہ اتحادیوں کی فوج نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ سلاطین ٹرکی کے تمام خزائن کے ہمراہ وہ تخت بھی پوشیدہ کردیا گیا۔ تاکہ وہ بطور تاوان جنگ اُسے اپنے قبضہ میں رکھکر کروڑوں پونڈ وصول نہ کرلیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ یونانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اُسے انگورہ پہنچانے کی کوشش کی گئی کیونکہ یہ یقین کیا جارہا تھا۔ کہ وہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھنے والے ہیں لیکن انگورہ پہنچنے کی بجائے وہ اب اس ناچیز کے پاس دارالسلطنت دہلی میں محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو مورخہ ۲۸ اکتوبر کو میں یہاں کے مطعلا پردوں اور رنایاب ہیروں کے ساتھ اُسے بہرام کاٹیج میں آپکو دکھا سکتا ہوں۔

میں۔ لیکن شاید ایسا نہ ہوسکے۔ کیونکہ قیصر نے جاسوسوں کو بہت ہی محتاط کردیا ہے۔

بہرام۔ سب کمیٹی جیلخانہ جات ریاستہائے ہند کی رپورٹ مکمل کرنے کیلئے

ممکن تھا۔ میں ایک روز اور قیام کرنا مناسب سمجھتا۔ لیکن مسلمانوں میں تعلیم
کی ترویج واشاعت کے لئے ۲۹ ر اکتوبر کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی ملت
اسلامیہ کے عظیم المرتبت مذہبی پیشوا شیخ الہند حضرت مولانا مولوی محمود الحسن
صاحب کے دست مبارک سے علیگڈھ میں جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد
رکھوا ئینگے۔ اس خاص اسلامی درسگاہ کے سنگ بنیاد اور افتتاح کیوقت
میں اپنی حاضری ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ انشاءاللہ یہ
تعلیم گاہ ہماری سیاسی اقتصادی اور معاشرتی پستی کا تیر بہدف علاج ثابت
ہوگی۔ اسلئے میرے دوست ہوسکتا ہے۔ کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے
لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ کہ یہ احقر ۲۸ ر اکتوبر کے بعد یہاں رہ جائے۔
**میں**۔ (بے اعتباری کے لہجہ میں) ممکن ہے۔ آپ کا خیال صحیح ہو۔
**بہرام**۔ جی ہاں۔ نپولین کی طرح ناممکن کو میں لایعنی سمجھتا ہوں۔ ۲۸ ر اکتوبر کی دوپہر
کو تین بجے میں شمیم لاج میں آپ سے نیاز حاصل کرونگا۔ اسکے بعد بہرام کاٹیج لیجاکر
آپ کو اپنے جمع شدہ نایاب چیزیں دکھاؤنگا جنہیں دیکھکر یقیناً آپ محفوظ ہونگے
اور پھر ہم سب لاٹ آف ایشا دیکھنے چلیں گے۔
**میں**۔ اچھا تسلیم ہم وقت مقررہ پر آپ کا انتظار کرینگے۔
شمیم نے کھڑے ہوکر اس سے ہاتھ ملایا۔ اور وہاں سے رخصت
ہوکر ہم قیصر پیلیس پہنچے۔ سامان تیار تھا۔ قیصر و بہرام الوداع کہنے اسٹیشن تک
ہمارے ہمراہ آئے۔ اور روانگی سے قبل قیصر نے پچیس ہزار روپے کا چیک
بطور اظہار شکر گذاری یا حق المحنت شمیم کو پیش کیا۔

شمیم کو بہرام کی آمد کا پختہ یقین تھا۔ اس نے مقررہ تاریخ کو دو پہر کے کھانے پر مجھے مدعو کیا تھا۔ تاکہ اسکی آمد کے وقت میں وہاں موجود ہوں۔ حالانکہ میں اپنی ضد پر قائم تھا۔ کہ وہ ہرگز اپنے وعدہ کو ایفا نہ کر سکے گا۔

دیوار پر لگا ہوا گھنٹہ عابد شب بیدار کے مانند لمحوں کی تسبیح پھیر رہا تھا ہم بہرام کے نادرات دیکھنے کے بیحد شائق تھے جنہوں نے دنیا میں لافانی شہرت حاصل کر لی تھی حقیقتاً یہ وہ بیش بہا خزانہ تھا جسکا پاسنگ بھی موجودہ فرمارواؤں کے پاس موجود نہیں ہیں اسی بے مثال خزانے کے متعلق گفتگو کرتے دو بج گئے ——— آخر ڈھائی

بجے ——— پھر تین۔

اس کے بعد دفعتاً دروازہ کھلا اور بہرام مسکراتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا

بہرام (مسکرا کر) آداب عرض کیجئے مسٹر سلیم۔

طنز کے طور پر یہ مذکورہ مزاحیہ فقرہ کہکر وہ بے تکلفی سے آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔

میں نے اسکے جواب میں مسکرا کر آداب عرض کیا لیکن میری مسکراہٹ میں تحیر بدرجہ اتم موجود تھا۔ میں ششدر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور وہ مسکرا کر شمیم کو وہ نایاب ہیرے دکھا رہا تھا۔ جنکی حفاظت کیلئے قیصر نے دہلی سے جاسوس بلائے تھے۔

اسکے بعد چائے کا دور شروع ہوا۔ اور اسی اثنا میں قیصر کے خادم نے اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی۔ وہ شمیم کے نام قیصر کا ایک طویل مکتوب لایا تھا

نکا ماحصل یہ تھا کہ:۔
کرشن کی طبیعت کچھ روبصحت تھی۔
عجائب خانہ سے نادرات عالم قیصر پیلیس سے مطلا پردے اور جیلخانہ
سے بہرام کافی نگہداشت کے باوجود پراسرار طور پر غائب ہوچکے تھے۔
واقعہ نہایت عجیب غریب اور بہت دلچسپ تھا۔ ۲۸ اکتوبر کی صبح کو
کمشنر اعلیٰ کی جانب سے داروغہ جیل کو تار ملا کہ جیلخانہ جات ریاستہائے ہند کے
انتظامی حالت کے متعلق عام طور پر شکایت پیدا ہوگئی ہے۔ اسی کے تدارک
کیلئے مجلس مقننہ میں عنقریب وہاں کی زبون حالت کے متعلق سب کمیٹی
کی رپورٹ پیش ہونے والی ہے۔ بدیں وجہ لفٹنٹ ہور کو معائنہ کیلئے بھیجا
جارہا ہے۔ تاکہ حقیقی نقائص کا تدارک کیا جائے۔
کچھ ہی دیر بعد جیلخانہ کے قریب میدان میں ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز اترا
داروغہ جیل نے وہیں لفٹنٹ ہور کا استقبال کیا۔
لفٹنٹ نے ایک منٹ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کیا۔ اور معائنہ
فوراً ہی شروع ہوگیا۔ اسنے اسیران جیل میں دنیا کے بین الاقوامی چور بہرام
کی موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔ داروغہ جیل کو ضروری کاغذات اور رجسٹر
لانے کے لئے بھیجکر وہ بہت دیر تک بہرام سے گفتگو کرتا رہا۔ تھوڑی دیر
بعد داروغہ جیل کے واپس آجانے پر اسنے چند ضروری ہدایات دیں اور
اسکے ہمراہ جہاز تک واپس آیا۔ روانگی سے قبل اسنے وزیر اعظم قیصر کے نام
داروغہ جیل کو ایک لفافہ دیا لیکن جب قیصر نے اسے کھولا تو معلوم ہوا کہ

بہرام کے پسندیدہ جواہرات اور قیمتی پردے پراسرار طور پر غائب کر دئے گئے۔ اور بذات خود بہرام قبل از وقت دی ہوئی اطلاع کے مطابق مقررہ وقت پر بحیثیت لفٹننٹ ہور جیل سے فرار ہو گیا۔ لیکن اسکی جگہ اسکا ایک شاگرد جو لفٹننٹ ہور کی شکل میں معائنہ کے لیے آیا تھا۔ ہنوز جیلخانہ میں مقید ہے جو عنقریب رہا کرا لیا جائیگا۔

مذکورہ اقتباس سنکر بہرام مسکرا دیا۔ قیصر نے شمیم سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ ان نادرات کی واپسی اور بہرام کی گرفتاری کے لیے اپنی خدمات دوبارہ ریاست کے لئے وقف کر دے۔

لیکن بہرام کے اصرار پر اسنے قیصر کی درخواست منظور نہ کی کیونکہ ہم لوگوں کے علاوہ خود بہرام کے خیال میں بھی شمیم ٹوٹے ہوئے سکہ کی واردات میں بہرام کے مقابلہ پر شاندار کامیابی حاصل کر چکا تہا۔

حسب وعدہ اُسنے بہرام کالج میں اپنے وہ جمع شدہ نادرات دکھائے جن کی نظیر ہفت اقلیم میں موجود نہ تھی۔

بعد ازاں لائٹ آف ایشا دیکھا کھیل حقیقتاً خوب تھا۔ لیکن اُسے بیحد پسند کرنے کے باوجود اس کے ختم ہونے سے کچھ قبل ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

بہرام۔ اچھا اجازت دیجیے۔ اگر آپ لوگ جامعہ ملیہ کی افتتاح کی تقریب میں شریک ہوئے۔ تو انشاء اللہ کل علیگڈھ میں ملاقات ہوگی۔ اب اس وقت مجبوراً میں تماشہ ختم ہونے سے قبل ہی رخصت ہو رہا ہوں

کیونکہ ٹھیک نو بجے مجھے ایک دعوت میں شریک ہونا ہے جس کا دعوت نامہ مجھے جبلخانہ ہی میں مل چکا تھا۔

سلیم۔ وہ دعوت کہاں ہے جسکی خاطر آپ اس ہندوستانی شاہکار کو پورا دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔

بہرام۔ ہز اکسیلینسی لارڈ ہارڈنگ وائسرائے آف انڈیا کے ہاں۔

# ٹوٹا ہوا سکہ ختم ہوا

## لیکن بہرام کی بیشمار کرشمہ سازیاں اور شمیم کے

## تحیر خیز جاسوسی واقعات

## ام الاسرار یا شمیم و بھرام

# دہلی کی مشہور سوغات

شاہان مغلیہ کی ایجاد کردہ مشہور معروف سلیم شاہی جوتی ہے۔ جو سر توڑ کوشش کے باوجود دہلی کے علاوہ ابتک دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں نہیں بن سکی حتی کہ سائنس کی بدولت اپنی ایجادوں پر فخر کرنے والا۔

## یورپ بھی اسکے بنانے سے قاصر ہے

اسکی بہترین طرز و تراش اور نزاکت کے ساتھ دنیا نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ پیر کیواسطے یہ نہایت آرام دہ چیز ہے۔ اپنے لئے اور خصوصاً اپنی چہیتی بیگم کیلئے یہ نایاب تحفہ

## جنرل بوٹ ہاؤس چاندنی چوک دہلی

(پروپرائٹر حافظ عبد الحکیم صاحب)

سے آج ہی طلب کیجئے۔ یہ وہ مشہور قدیمی دوکان ہے جس کے ایمانداری اور خوش معاملگی کے متعلق رئیس الاحرار مولانا محمد علیؒ امیر ملت مولانا شوکت علی مسیح الملک حکیم اجمل خانؒ۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مصور فطرت خواجہ حسن نظامی۔ سر آصف علی بیرسٹر اور اسسٹنٹ کلکٹر کرنال پنجاب، وغیرہ اہم حضرات نے بارہا تعریف کی ہے

آپ بھی آزمائش کیجئے

منیجر